اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

جلد ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۶ء/ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ شمارہ ۱۳۱

قیمت فی شمارہ:-/30 روپے سالانہ چندہ-/400 روپے

مرکزی مجلس رضا

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتا: **مسلم کتابوی**، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ لاہور

Email:muslimkitabevi@gmail.com, 042-37300638, 0321-4477511

ملنے کا پتہ: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور 0333-4701081

شام پر امریکی حملہ اور زمینی حقائق

مولانا محمد فروغ القادری

شام مشرقِ وسطیٰ کا ایک بڑا اور تاریخی ملک ہے۔اس کا مکمل نام ”الجمهورية العربية السورية“ ہے۔اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی ہے۔ دنیا کے قدیم ترین ملک شام نے ۱۹۴۶ء میں فرانس کے قبضے سے آزادی حاصل کی۔ ۲۳ ملین نفوس پر مشتمل شام میں ۳ء۹۰ فیصد عرب اور ۷ء۹ فیصد کرد، آرمینین، سیریائی اور دیگر قبائل شامل ہیں۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیب، سامی اقوام اور زبانوں نے اسی سرزمین سے جنم لیا۔ شہر عبیل سے ۱۹۷۵ء میں سامی سلطنت تہذیب کا بہترین نوادراتی اثاثہ ملا، جس میں سترہ ہزار خالص چاندی کی تختیاں تھیں۔ شام پر کنعانیوں، عبرانیوں، اسیریائی قبائل کا بھی قبضہ رہا ہے۔ رومیوں، بازنطینیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور عربوں نے بھی باضابطہ شام پر حکومت کی ہے۔

مسلمانوں نے دمشق کو ۶۳۶ء میں فتح کیا۔اس کے بعد ۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک وہاں اموی سلطنت قائم رہی، جس کی حدود ہسپانیہ سے وسط ایشیا تک تھیں۔ ۷۵۰ء میں عباسیوں نے امویوں کو سلطنتِ خلافت سے بے دخل کر کے بغداد کو مرکز بنایا۔ ۱۲۶۰ھ میں مملوکوں نے دمشق کو دوبارہ دار الخلافہ بنایا، مگر امیر تیمور نے ۱۴۰۰ء میں دمشق اور گردونواح کو تباہ و برباد کر دیا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں شام زیادہ تر سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں رہا۔ ۱۹۱۶ء میں برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے مابین ایک خفیہ معاہدہ ہوا، جس کے بعد لیگ آف نیشنز کے ذریعہ اقتدار فرانس کو سونپ دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں فرانس اور برطانیہ کے مشترکہ مفادات کے نتیجے میں ایک کٹھ پتلی حکومت قائم ہوئی، کچھ ہی عرصہ بعد شام کا زیادہ تر علاقہ فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں دمشق میں فیصل بن حسین کی حکومت قائم ہوئی اور ۱۹۱۹ء

میں عام انتخابات کے نتیجے میں ایک پارلیمنٹ قائم ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں فرانسیسی افواج نے شام پر مکمل قبضہ کر لیا اور شام کو ۱۹۲۱ء میں چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جن میں ایک لبنان بھی شامل تھا۔ فلسطین کے بارے میں انگریزوں نے ۱۹۱۷ء ہی میں ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی منظوری تھی۔ اسی اثناء میں شام میں کئی مزاحمتی تحریکوں نے جنم لیا۔ ۱۹۳۲ء میں شام میں پہلی دفعہ آزادی کا اعلان ہوا، مگر پارلیمنٹ اور کابینہ فرانس کی مرضی سے بنے۔ زمینی حقائق کے پیش نظر تمام تر جدوجہد کے باوجود بدقسمتی سے شام اس وقت ایک آزاد ملک نہ بن سکا۔ آزادی کی تحریکیں چلتی رہیں، فرانس نے ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے بہانے شامی پارلیمنٹ ختم کر دی۔ ۱۹۴۰ء میں جرمنی نے فرانس پر قبضہ کر لیا مگر شام پھر بھی آزاد نہ ہو سکا۔ برطانوی اور فرانسیسی افواج نے ۱۹۴۱ء میں شام کو روند ڈالا۔ فرانس نے ۱۹۴۳ء میں شام میں ایک بار پھر پارلیمنٹ تشکیل دی اور ۱۹۴۴ء میں فرانس نے معاہدۂ آزادی کیا مگر ساتھ ہی ۱۹۴۵ء میں فرانسیسی افواج نے دمشق کے اردگرد گھیرا ڈال کر زبردست بمباری کی اور پارلیمنٹ کی عمارت تباہ کر دی۔ اس وحشت ناک بمباری میں شامی حکومت کے افراد کے علاوہ دو ہزار سے زیادہ عام لوگ، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت شام کے صدر شکری القوتلی تھے۔ ان کے عزم اور حوصلے کے باعث ہی فرانس گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا اور اسے اگلے سال ہی شام خالی کرنا پڑا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے فرانس اور برطانیہ دونوں کمزور ہو گئے تھے، فرانس نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ مزید شام پر اپنا قبضہ بحال نہیں رکھ سکتا تو اس نے شام کو آزادی دینے کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۴۶ء میں فرانس نے ۱۹۴۴ء میں کئے جانے والے معاہدۂ آزادی کو دوبارہ تسلیم کر لیا اور ۱۵/ اپریل ۱۹۴۶ء کو فرانس اور برطانوی افواج شام سے نکل گئیں اور ۱۷/ اپریل ۱۹۴۶ء کو شام نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جس کا نام ”الجمهورية العربية السورية“ رکھا گیا۔

۳۰/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک فوجی بغاوت ہوئی جس نے شام کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ عوامی دباؤ پر ۱۹۵۵ء میں انتخابات ہوئے اور ایک غیر فوجی حکومت قائم ہوئی۔ ۲۲/ فروری ۱۹۵۸ء کو مصر اور شام نے اتحاد کیا اور ایک متحدہ ملک قائم ہو گیا جس کا نام متحدہ عرب جمہوریہ رکھا گیا۔ مگر ۲۸/ ستمبر ۱۹۶۱ء میں سامراجی قوتوں کی ایما پر ایک اور فوجی بغاوت ہوئی

جس نے یہ اتحاد ختم کر کے شام کو دوبارہ ایک الگ ملک کی حیثیت دے دی۔ پھر ۸/ مارچ ۱۹۶۳ء کو بعث پارٹی کے لوگوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ۲۳/ فروری ۱۹۶۶ء کو اسی پارٹی کے حافظ الاسد نے حکومت پر قبضہ کر کے صدر امین الحفیظ کو برطرف کر دیا۔ ۱۰/ جون ۲۰۰۰ء کو حافظ الاسد کا انتقال ہو گیا اور ان کے بیٹے ''بشار الاسد'' نے صدارت سنبھالی۔ انہوں نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد سابقہ حکومت کی نسبت شخصی آزادی میں بہتری کی صورت تو پیدا کی تاہم عرب اسپرنگ تحریک کے ساتھ ہی ۲۰۱۱ء سے بحرین، مصر، تیونس اور لیبیا کی طرح شام بھی خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حادثے ایک دن میں نہیں ہوتے، شام میں بدامنی کی ایک طویل داستان رہی ہے، اپریل ۱۹۴۶ء میں فرانس سے آزادی حاصل کرنے والے شام کو ۱۹۴۹ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان فوجی حکومتوں اور بغاوتوں کا سامنا رہا ہے۔ جبکہ یہ ملک ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۱ء تک ایمرجنسی قانون کا شکار رہا ہے۔ موجودہ شامی صدر بشار الاسد ۲۰۰۰ء سے حکمران ہیں۔ ۲۰۱۱ء میں اس خطے میں جنم لینے والی عرب اسپرنگ تحریک نے شام میں خانہ جنگی کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں عرب لیگ نے شام کی رکنیت معطل کر دی ہے۔ اقوامِ متحدہ کا کہنا ہے کہ شام میں ۱۰/ ہزار سے زائد لوگ مارے جا چکے ہیں۔ مئی ۲۰۱۲ء میں حکومت شام کی جانب سے حولہ کے مقام پر شہریوں کی ہلاکت میں بھاری اسلحے کے استعمال پر اقوامِ متحدہ نے شدید مذمت کی اور اس واقعے پر فرانس، برطانیہ، جرمنی، اٹلی، سپین، کینیڈا اور آسٹریلیا نے شامی سفارت کاروں کو اپنے اپنے ملکوں سے نکال دیا۔ اکتوبر میں شام اور ترکی میں کشیدگی میں اضافہ ہوا اور دونوں ممالک نے ایک دوسرے کیلئے فضائی پابندیاں لگا دیں۔ عالمی برادری نے متاثرہ شامی علاقوں کیلئے ڈیڑھ ارب ڈالر کے امدادی پیکیج دینے کے وعدے کئے۔ اپریل ۲۰۱۳ء میں برطانیہ اور امریکہ نے حکومتی فورسز کی طرف سے کیمیاوی ہتھیاروں کے استعمال کی تفصیلی رپورٹ کا مطالبہ کیا ہے۔

شامی حزبِ اختلاف نے الزام عائد کیا ہے کہ ۲۱/ اگست ۲۰۱۳ء کو دمشق کے مضافات میں کیمیاوی ہتھیاروں کے حملوں میں ایک ہزار سے زائد لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ مہلک کیمیاوی ہتھیاروں سے لیس راکٹوں سے دمشق کے مضافاتی علاقے ''غوطہ'' میں سرگرم

باغیوں پر حملے کئے گئے، جبکہ حکومتی خبر رساں ایجنسی ''سانا'' نے ان دعوؤں کو بے بنیاد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا مقصد اقوامِ متحدہ کے معائنہ کاروں کی توجہ ہٹانا ہے۔ اس حملے کا الزام ایک ایسے وقت میں لگایا گیا جب اقوامِ متحدہ کے معائنہ کار شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے الزام کی تحقیقات کیلئے پہنچے تھے۔ امریکی صدر بارک اوباما کا کہنا ہے کہ شام میں کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال امریکہ، ان کے حلیف اور دنیا کے کئی ممالک کیلئے خطرہ ہے۔ اور وہ کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے جواب میں ''محدود کارروائی'' پر غور کر رہے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری کے مطابق کیمیائی ہتھیاروں کے حملے میں پندرہ سو افراد ہلاک ہوئے ہیں جن میں ۴۲۶/ بچے بھی شامل ہیں۔ شامی حکومت نے ہلاکت خیز کیمیائی حملے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حملہ شامی باغیوں نے انجام دیا ہے۔

صدر بشار الاسد کی فوج کی طرف سے اپوزیشن کے جنگجو حامیوں کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کو بہانہ بنا کر امریکہ نے شام پر فوج کشی کا جو منصوبہ بنایا ہے اگرچہ اسے تاہنوز بین الاقوامی حمایت حاصل نہیں ہو سکی، اس کے باوجود امریکی انتظامیہ نے اپنے لانگ رینج بمبار طیاروں کو حملے کیلئے تیار رہنے کا حکم دے دیا ہے۔ تاہم عالمی رائے عامہ کے مخالفانہ ردِعمل کے باعث امریکی وزیر خارجہ مسٹر جان کیری نے کہا ہے کہ شام پر حملہ محدود پیمانے پر ہوگا اور وہاں زمینی فوج بھی نہیں اتاری جائے گی۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ امریکہ شام کے خلاف فوجی کارروائی کی حمایت کیلئے عرب لیگ، یورپی یونین، اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے ارکان اور خود امریکی کانگریس پر زبردست دباؤ ڈال رہا ہے۔ لیکن اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ لیتھونیا میں ہونے والی یورپی یونین کی کانفرنس میں امریکہ کی حمایت پر اتفاقِ رائے نہیں ہو سکا، برطانیہ اور قبرص نے اس مقصد کیلئے اپنے اڈے استعمال کرنے کی اجازت دینے سے صاف لفظوں میں انکار کر دیا ہے۔ ادھر پیرس میں گزشتہ دنوں امریکی وزیر خارجہ نے عرب وزرائے خارجہ سے ملاقات کی۔ عرب ممالک کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ شامی حکومت نے مخالفین پر کیمیائی ہتھیار استعمال کئے ہیں لیکن سعودی عرب اور قطر کے علاوہ تمام عرب ممالک شام پر فوجی حملے کے معاملے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ ادھر سلامتی کونسل کی حمایت کرنے کیلئے بھی امریکی کوششیں ناکامی

سے دوچار ہیں۔اس حوالے سے امریکہ نے جتنی بھی قراردادیں پیش کی ہیں روس اور چین نے اسے ویٹو کردیا ہے۔رائے عامہ کے ایک سروے میں ۷۰ رفیصد فرانسیسی عوام نے شام میں امریکی مداخلت کی مخالفت کی ہے۔اس پر فرانسیسی حکومت بھی امریکہ پر زور دے رہی ہے کہ اس سے پہلے سلامتی کونسل سے رجوع کیا جائے اور اس مسئلے کے حل کیلئے سفارتی ذرائع اختیار کئے جائیں۔صدر اوباما اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بین الاقوامی طور پر انہیں اس تعلق سے حمایت ملنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔خود امریکی کانگریس بھی اس کی مخالفت کر چکی ہے۔اگر اس کے باوجود امریکی صدر اوباما شام پر حملے کے فیصلے پر عمل درآمد کر گزریں گے تو دنیا عراق، لیبیا اور افغانستان کی طرح ایک اور مسلم ملک میں تباہی اور خون ریزی کے بھیانک مناظر دیکھے گی۔شام نے اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے کہ اس کی فوج نے حکومت مخالف مسلح سرگرمیوں کو کچلنے کیلئے کیمیائی ہتھیار استعمال کئے ہیں۔اقوامِ متحدہ کے معائنہ کار ابھی اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔اس رپورٹ کی تفصیل اور الزامات کی صداقت منظر عام پر آنے سے پہلے ہی شام پر حملے کے فیصلے اور اس کے حق میں عالمی حمایت حاصل کرنے کیلئے امریکی انتظامیہ کی دوڑ دھوپ ناقابلِ فہم ہے۔ایسا لگتا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور عزائم کارفرما ہیں۔مطلق العنان بادشاہوں اور آمرانہ حکومتوں کے خاتمے اور جمہوریت کے قیام کے نام پر عرب ملکوں میں تباہی و بربادی کا کھیل ایک عرصہ سے جاری ہے۔

دنیا میں ایسی کوئی عالمی عدالت نہیں جو محض انسانی بنیادوں پر کسی ملک میں فوجی مداخلت کی اجازت دے۔۱۹۹۰ء میں کوسوو اور روانڈا کے تباہ کن قتل عام کے بعد ایسا قانونی ڈھانچہ تشکیل دینے کی کوشش کی گئی۔۱۹۹۵ء میں اقوامِ متحدہ نے اس مسئلے میں کچھ پیش رفت کی اور اس سلسلے میں ایسا مسودہ تیار کیا گیا جسے تحفظ کی ذمے داری یا Responsibility to Protect (R2P) کا نام دیا گیا۔عالمی طور پر تو نہیں مگر وسیع پیمانے پر اسے قانون کی حیثیت سے باضابطہ تسلیم کیا جاتا ہے۔اس قانون کے تین بنیادی نکات ہیں:

اول یہ کہ ریاستیں اپنے عوام کو نسل کشی، جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم سے بچائیں، ان جرائم کی روک تھام میں ممالک یا ریاستوں کی مدد عالمی برادری کی ذمے داری

ہے۔اگر عالمی برادری سمجھے کہ کسی ریاست یا ملک میں نسل کشی یا انسانیت سوز جرائم کئے جا رہے ہیں اور مذکورہ ممالک اس کی روک تھام کیلئے کوئی اقدام نہیں کر رہے ہیں یا ناکام ہو چکے ہیں تو عالمی برادری اس کیلئے پر امن اقدامات کر سکتی ہے۔اگر ایسے ذرائع کے استعمال بھی ناکامی سے دوچار ہو جائیں تو پھر اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل سے اجازت لے کر اس ملک کے خلاف فوجی طاقت کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔مگر یہ واضح رہے کہ کارروائی کے قانونی جواز کیلئے سلامتی کونسل سے اجازت لینا ضروری ہے۔اس سلسلے میں سلامتی کونسل عالمی قوانین میں طاقت کے استعمال کے حوالے سے ایک بنیادی ثالث کا کردار ادا کر سکتی ہے۔اس حوالے سے برطانوی خبر رساں ادارہ لکھتا ہے کہ شام کے معاملے میں یہ شاید ممکن نہ ہو۔کیونکہ سلامتی کونسل کے ایک سے زیادہ رکن ملک کی جانب سے مداخلت کی مخالفت کی وجہ سے اتفاقِ رائے کی شدید کمی ہے۔ایسی صورتِ حال میں قانونی ڈھانچہ R2P فوجی طاقت کے استعمال کا جواز فراہم کرتا ہے۔اس قانون میں تحفظ کے کئی نکات ہیں۔محدود طاقت کے استعمال میں تمام معیارات کو جانچا جاتا ہے، اگر وہ درست ہوں تو پھر محدود اور معین فوجی طاقت کا استعمال عالمی قوانین اور R2P کے تحت قانونی ہوگا۔حتمی طور پر ان حالات میں فوجی مداخلت کا فیصلہ حکومتوں کے پاس ہوگا نہ کہ وکلا کے پاس۔لیکن حکومتوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ فوجی مداخلت کیلئے اپنا مؤقف پیش کریں اور ظاہر کریں کہ تمام قانونی ضروریات پوری کی گئی ہیں۔شام کے معاملے میں یہ ممالک دلیل دیں گے کہ ملک میں سفاکی اور ظلم جاری ہے اور اسے روکنے کے تمام پر امن ذرائع استعمال کئے جا چکے ہیں اور اب فوج کشی ہی اس کا آخری حل ہے۔

روس نے شام کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا الزام مسترد کر دیا ہے۔ روس نے شام میں فوجی مداخلت پر واضح لفظوں سے خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسی کوئی بھی کارروائی پورے خطے کیلئے تباہ کن ہو سکتی ہے۔روس کا کہنا ہے کہ سلامتی کونسل کو بائی پاس کر کے خطے میں فوجی مداخلت کیلئے بے بنیاد جواز تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔اس سے شام میں نئے مسائل پیدا ہوں گے۔اس کے ساتھ ہی مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے دوسرے ممالک پر بھی تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔روس نے امریکہ اور عالمی برادری پر

زور دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کی سختی سے پاسداری کریں اور خاص طور پر اقوامِ متحدہ کے منشور کے بنیادی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

ادھر برطانوی دارالعوام (House of Commons London) اراکین نے بھی حکومت کی جانب سے شامی حکومت کے خلاف ممکنہ فوجی کارروائی کی مخالفت میں ووٹ دیا ہے۔ حکومت کی جانب سے دارالعوام میں پیش کی گئی قرارداد کو تیرہ ووٹوں سے شکست دی گئی۔ قرارداد کے حق میں ۲۷۲ جبکہ مخالفت میں ۲۸۵ ووٹ آئے۔ برطانوی وزیر اعظم مسٹر ڈیوڈ کیمرون کی جماعت کنزرویٹیو پارٹی (Coservative Party) کے ۳۰/ جبکہ اس کی حلیف جماعت لبرل ڈیموکریٹس (Liberal Democrates) کے ۹/ اراکین نے اس قرارداد کے خلاف ووٹ دیا۔ برطانوی وزیر اعظم نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دارالعوام نہیں چاہتا کہ کارروائی کی جائے اور حکومت اس کے مطابق کام کرے گی۔

British prime minister Mr.David Cameron told MP's those supporting a strong responxe to Syria following use chemical weapons made a powerful case, but insisted that a political settlement is only way to end the conflict in the middl east country.

اس قرارداد کے بعد شام پر ممکنہ فوجی کارروائی میں برطانیہ کا کردار تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ تاہم بین الاقوامی قانون کے مطابق صرف سکیورٹی کونسل ہی سزا دے سکتی ہے۔ اور ریاستیں انفرادی طور پر کسی ریاست کو خود سزا نہیں دے سکتیں۔ امریکی اوباما کی جانب سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے حوالے سے سرخ لکیر کھینچنے نے اسے عالمی منظرنامے میں تنہا کر دیا ہے۔ اس کے خودساختہ دباؤ نے اسے ایک نئے مخمصے میں الجھا کر رکھ دیا ہے۔ امریکہ اپنی عسکری برتری کے باوجود شام پر تنہا حملہ آور ہونے کی غلطی نہیں کرے گا۔ عراق اور

افغانستان میں اس کے نتائج وہ دیکھ چکا ہے، جبکہ جزوی طور پر وہاں دوسرے ممالک بھی امریکی حلیف بن کر شریک جنگ رہے۔ اس مشکل سے نکلنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ واشنگٹن کو اقوامِ متحدہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے شام کو اقوامِ متحدہ کے ذریعہ سزا دلوانے پر زور دینا چاہئے۔ وہ بھی اس وقت جبکہ شام کا جرم پوری طرح ثابت ہو جائے۔ لیکن اوباما نے اس راستے کا انتخاب نہیں کیا۔ اس کے بجائے امریکہ نے یکطرفہ طور پر شامی صدر بشار الاسد کو قصور وار گردانا۔ جس کے نتیجے میں اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ واشنگٹن کے شام میں مداخلت کے پیچھے جغرافیائی تزویری سوچ بھی کارفرما ہو سکتی ہے۔ کم از کم ان مشیروں کی جانب سے جو کہ اوباما کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ اس زاویے سے شام کے خلاف کارروائی کی نیت ایران کیلئے اشارہ ہو گی۔ وسیع تر جغرافیائی سیاسی منظرنامے پر شامی حکومت کے کمزور ہونے سے اس کے طاقتور اتحادی یعنی ایران اور حزب اللہ بھی کمزور ہوں گے، اس طرح ان کی جانب سے اسرائیل کو درپیش خطرات زائل ہو جائیں گے۔

مغربی مبصرین اور ذرائع ابلاغ کا یہ کہنا ہے کہ شام پر فوجی کارروائی کیلئے جس طرح کے مقدمات باراک اوباما نے تیار کئے ہیں وہ ان مقدمات سے بہت کمزور اور پیچیدہ ہیں جو جارج بش نے عراق کے معاملے میں تیار کئے تھے۔ جبکہ عراق جنگ کے حقائق دنیا کے سامنے آ چکے ہیں۔ عراق جنگ کی تفصیلی رپورٹ منظر عام پر آنے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اپنے ہی عوام کے سامنے اندرون ملک جو ہزیمت اٹھانی پڑی ہے وہ سب پر واضح ہے۔ عالمی رائے عامہ ہموار نہ ہونے کے باوجود اگر امریکہ شام پر حملہ کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا تو وہ نظریاتی لحاظ سے بہت بڑے اور مضبوط دشمن کو دمشق میں بطور حکمران لے کر آئے گا۔ یہ دشمن القاعدۃ اور النصرۃ کے ماتحت چلنے والا سلفی جہادی گروپ ہے۔ صورت حال اس طرح مزید پیچیدہ ہو جائے گی کہ اس میں فرقہ واریت اور مسلکی ترجیحات کا عنصر شامل ہو جائے گا۔ شام میں جس قدر انبیائے کرام، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کے مزارات مقدسہ کی بے حرمتی ہوئی ہے، اسے باضابطہ منصوبے کے تحت منہدم کیا گیا ہے، اس میں بھی سلفی وہابی جہادی گروپ کی کارستانیاں شامل رہی ہیں۔ یہاں شیعہ اور سنی دونوں طبقات کے جنگجو جہادی اور شدت پسند لڑاکے پہلے ہی سے متحارب ہیں۔ ان میں جو

بھی جیت گیا وہ امریکہ اور صدر اوباما کیلئے ایک نیا بحران پیدا کر دے گا۔ ان تمام حقائق کے باوجود امریکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ فرقہ واریت اور مسلکی عصبیت کے نتیجے میں پورا عالمِ اسلام خانہ جنگی کا شکار رہے اور ایسے حالات میں اسے مشرق وسطیٰ میں براہِ راست مداخلت کا موقع ملتا رہے گا۔

جیسے جیسے افغانستان، عراق اور دیگر ملکوں میں جنگیں ختم ہو رہی ہیں، مذہب کے نام پر دہشت گردی کی کارروائی انجام دینے والے سفاک اور قاتل دنیا کے مختلف حصوں سے یہاں پہنچ رہے ہیں اور بشارالاسد کے مخالف شدت پسندوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ جب اوباما دمشق کے قصر شاہی پر بمباری کر کے بشارالاسد کو نکال باہر کر دیں گے تو ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر زمامِ اقتدار کن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا، حکومتی ذمے داریاں کون سنبھالے گا، بغداد کی طرح سقوطِ دمشق کے بعد اس بات کا واضح امکان ہے کہ مقامی افراد اور باہر سے آئے ہوئے جہادیوں کے مابین لڑائی کتنے برسوں تک جاری رہ سکتی ہے۔ اوباما کا کہنا ہے کہ اگر دنیا کارروائی کرنے میں ناکام رہی تو اس سے بین الاقوامی برادری اور کانگریس کی ساکھ داؤ پر لگ سکتی ہے۔ اس سے مطلق العنان حکمرانوں اور آمروں کو یہ پیغام ملے گا کہ وہ اپنے ظلم کے ساتھ حکمرانی کا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ دراصل امریکہ کا ہدف شام نہیں بلکہ ایران ہے جسے جوہری ہتھیاروں سے روکنے کا عزم بھی شامل ہے۔ شام تو صرف فوجی کارروائی کیلئے ایک بہانہ ہے۔

عالمی منظر نامے پر گہری نظر رکھنے والی خاتون سفارت کار ڈاکٹر ملیحہ لودھی کا کہنا ہے کہ آج کی دنیا میں کوئی سپر پاور نہیں ہے۔ ایک بغیر قطب کی دنیا ہے اور ہر بڑے ملک کو اپنے عسکری مقاصد کے حصول کیلئے اتحادیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ڈاکٹر ملیحہ سوال پوچھتی ہیں کہ اگر امریکہ واحد سپر پاور تھا تو وہ عراق اور افغانستان میں کیوں ناکام ہوا؟ لہٰذا امریکہ کو اس وقت لاکھ کی ضرورت ہے اور امریکی صدر اپنے طیارے ''ایئر فورس ون'' میں بیٹھ کر اسے خریدنے کیلئے نکل پڑے ہیں، لیکن اب تک وہ اس میں ناکام رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے گھر میں یہ لاکھ حاصل کرنے میں ناکام رہے تو یہ قیمتی چیز انہیں بیرونی دنیا میں بھی کوئی نہیں دے گا؟

اس جنگی منظر نامے میں مشرق وسطیٰ کے چند عرب ممالک کا کردار بھی سامنے آیا ہے جسے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ برطانوی اخبار ''انڈی پینڈنٹ'' کے مطابق ایک اہم مسلم ملک (سعودی عرب) امریکہ کو شام پر حملہ کرنے کیلئے اکسا رہا ہے۔ وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو شام میں حکومت کی تبدیلی کیلئے اقدامات کرنے پر کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ یہاں لندن سے شائع ہونے والے ایک اخبار نے اس راز کا بھی انکشاف کیا ہے کہ سعودی عرب نے امریکہ کو اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ شام میں ممکنہ فوجی حملے کے تمام اخراجات برداشت کرنے کیلئے تیار ہے۔ جبکہ خلیجی ممالک عراق جنگ کے اختتام پر کئی بلین ڈالر امریکہ کو بطور معاوضہ ادا کر چکے ہیں۔

شام میں سعودی عرب کی جنگی دلچسپی کی بنیادی وجہ اس کا مسلکی اور فقہی اختلاف ہے۔ شامی باغیوں کو مالی امداد کے پس منظر میں اس کے یہی مقاصد کارفرما ہیں جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہے۔ سعودی عرب شام میں مداخلت کے ذریعہ ان تمام مزارات مقدسہ اور شعائر اللہ کا انہدام چاہتا ہے جو وہ سرزمین حجاز میں توحید کے نام پر اپنی مذہبی دہشت گردی کا مظاہرہ کر چکا ہے۔ لبنانی اخبار ''السفیر'' کے مطابق روسی صدر ولادیمیر پوتن نے روسی فوج کو باضابطہ یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ شام پر مغربی ملکوں کے حملے کی صورت میں اس اہم اسلامی ملک پر چڑھائی کر دے۔ اس پر حملے کے حوالے سے روسی فوج کو ''ارجنٹ ایکشن میمورینڈم'' جاری کر دیا ہے۔

برطانوی اخبار کی رپورٹ کے مطابق روس کا مؤقف ہے کہ شام میں جاری حکومت اور باغیوں کے درمیان جنگ کے پیچھے اس اہم مسلم ملک (سعودی عرب) کا ہاتھ ہے اور اس کے ساتھ بعض مغربی ممالک بھی اس سازش میں برابر کے شریک ہیں۔ موجودہ صورتِ حال میں جبکہ امریکہ شدید ترین مالی بحران اور معاشی تنزلی کا شکار ہے وہ اس پوزیشن میں ہرگز نہیں کہ وہ اپنے عرب اتحادیوں کے بغیر شام پر تنہا حملہ آور ہو جائے۔

نوٹ: یہ تھا شام پر حملوں کا پس منظر

☆☆☆☆

یزید کا کردار تاریخ کی روشنی میں

غلام احمد قریشی

تاریخ اقوام وملل میں حق وباطل کی ہزاروں معرکہ آرائیاں ہوتی آئی ہیں۔ دنیا ہر دور میں جبر وتشدد اور استبداد کے خونیں معرکے دیکھ چکی ہے۔ زمانے میں دستور جنگ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ فریقین اپنی اپنی مادی طاقتوں سے آراستہ وپیراستہ ہوکر میدان کارزار میں مجتمع ہوئے ہیں اور ایک نے دوسرے کو جنگی ہتھیاروں، کثرتِ فوج اور مالی وسائل وقوت سے شکست دینے کا سامان کیا ہے۔ ہر ملک کا نظریۂ جنگ یہ رہا ہے کہ ملکی فتوحات ہوں اور ان کا رقبۂ حکومت وسیع سے وسیع تر ہو۔ دنیا میں قتل وغارت گری کا اصل سبب ہوس ملک گیری رہا ہے۔ لیکن معرکۂ کربلا نہ ملک گیری کے جذبات کا نتیجہ تھا۔ نہ امارت ودولت کے حصول کیلئے اس کا آغاز ہوا۔ یہ حق وباطل کی جنگ تھی، نور وظلمت کے مابین کشمکش تھی، ایک طرف فسق وفجور تھا جو پوری طاقت کے ساتھ اسلامی تجلیات کو چیلنج کر رہا تھا۔ اسلام نے جس طرز حکومت کو پیش کیا تھا اس کی بنیاد واساس تقویٰ اور عمل صالح پر تھی۔ اسلامی اصول حکمرانی یہ تھے کہ امیر وحاکم علم وعمل کا نمونہ ہو۔ اس کے عادات واخلاق قوم کیلئے مثالی ہوں کہ عوام اس کے ذاتی کردار سے سبق حاصل کریں اور وہ ملک کے اندر سب سے زیادہ صالح اور پرہیز گار ہو۔ اسلامی احکام واقدار کا خود پابند ہوکر جماعت کے مشورے سے کام کرے۔ ان زریں اصولوں کے خلاف یزیدی حکومت قائم ہوئی اور اس نے پوری قوت وطاقت کے ساتھ آوازِ حق کو دبانے کا تہیہ کرلیا۔ لیکن امام حسین جن کی زندگی حق پر رہنے اور حق کی تبلیغ کیلئے وقف تھی، کس طرح ممکن ہے کہ ملوکیت وشہنشاہیت کے ظلم کے سامنے سر جھکا دے۔

یزید کا صرف اور صرف یہی منشا تھا کہ من مانے قانون نافذ کرکے شراب نوشی، زنا کاری، رقص وسرود کو عام کردیا جائے۔ انہی حالات کے پیش نظر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

نے اپنا قدم آگے بڑھایا اور یزید کے ناپاک منصوبے کو خاک میں ملادیا۔ خود تو شہید ہوگئے اپنے اہل وعیال (کے ۷۲ افراد) کو بھی قربان کیا مگر اسلام کو ہمیشہ کیلئے حیات جاودانی بخش دی۔ تاکہ اب کوئی یزیدی قیامت تک ایسا کوئی ناپاک منصوبہ نہ بنا سکے اور اسلام کے تقدس کو پامال نہ کرسکے اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی بڑی برجستگی سے دربار یزیدی میں یزید کے ناپاک منصوبے کو خاک میں ملا کر امام پاک کے مشن کو دائمی قوت بخش دی۔

امام عالی مقام حق کے ترجمان جبکہ یزید پلید باطل کا علم بردار تھا۔ اس معرکے میں باطل کو ایسی شکست ہوئی کہ یزید اور یزیدیت پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہوگئی۔ جبکہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور حسینیت نے عزت وشرافت اور اخلاقی اقدار میں اعلیٰ مقام ومرتبہ حاصل کیا۔

مسلمانوں کا وہ گروہ جو واقعہ کربلا کو کوئی وقعت نہیں دیتا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے یقیناً غلطی پر ہے۔ یہ دلیل بھی کج فہمی اور لاعلمی کے مترادف ہے کہ امام عالی مقام کا یزید کے مقابلہ میں نکلنا ایک جہادی غلطی تھی۔ اسلام کی تاریخ سیاسیات میں یزید کی نامزدگی بالکل غلط اور خلاف شرع تھی۔ اول الذکر کا یہ دعویٰ کہ حضرت امام آیت قرآنی قل اللهم مالك الملك نہیں سمجھ سکے تھے کلیتاً بے بنیاد ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ یزید مذکورہ قرآنی آیت کے صرف اس حصے کو اپنے لئے مفید سمجھتا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کو اقتدار واختیار وملک بخشنے والا بتایا گیا ہے اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو اللہ کا مقرر کردہ جتلاتا تھا۔ تاہم اس کی حکومت اور زندگی کے انداز کچھ اور ہی تھے۔ چنانچہ ایک امیر اور مسلمان فرد کی حیثیت سے یزید کا کردار نہایت گھناؤنا اور شریعت کے خلاف تھا۔ اس کے مقابلہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس حقیقت پر مکمل ایمان تھا کہ باری تعالیٰ دنیا کا مالک بھی ہے اور حکومت سے سرفراز کرنے والا بھی۔ یزید کا ذاتی کردار جب عوام کے سامنے آیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ صرف اتنا چاہتے تھے اور ان کا واحد مطالبہ یہ تھا کہ جو مسلمان بھی مسند خلافت پر بیٹھے وہ اللہ کو صحیح معنوں میں ملک کا مالک اور سلطنت کو امانت سمجھے اور اس کے اعمال واخلاق اسلامی نظام حیات کے عین مطابق ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس

کرتے تھے کہ خلافت کا امیدوار اپنے نجی کیریکٹر سے امت مسلمہ میں مقبول ہو۔

دنیا میں اسلام کے تحفظ و بقا کیلئے جتنی بھی قربانیاں دی گئیں ان میں سب سے اہم سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی ہے۔ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ نہ بے مقصد تھی نہ کوئی اتفاق حادثہ اور نہ ہی دو شہزادوں کی جنگ تھی۔ بلکہ ان اصولوں کی سچائی کی آبیاری کرنا اور ایک بار پھر دنیا کو مشاہدہ کرانا تھا جو اسلامی معاشرے کیلئے اسلام میں مقرر کئے گئے تھے۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو حق نہیں کہ وہ شریعت کے اصولوں میں تبدیلی کرے اور قرآن وسنت کا مذاق اڑائے اور اسلامی اقدار کو پامال کرے۔ یزید اس کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اگر یزید کا کردار اس کی ذات تک محدود ہوتا اور اس سے اجتماع زندگی اور اسلام متاثر نہ ہوتا تو شاید اس کا عمل اتنا قابل گرفت نہ ہوتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جنگ کسی عہدے کی خاطر نہ تھی۔ انہوں نے یہ جہاد اسلام کو بچانے کیلئے کیا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل و کردار سے خدا پرستی کے اصولوں کی سچائی کا مشاہدہ کرایا تا کہ انسانی معاشرے میں کوئی شخص نہ ظالم بن سکے۔ نہ ہی ظلم کے آگے سر جھکانے کیلئے تیار ہو سکے۔ ان کا مقصد اسلام کا تحفظ تھ، واقعہ کربلا ہمارے لئے ایک ایسے نور کی حیثیت رکھتا ہے جس سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے کردار و عمل کو رشد و ہدایت کی طرف لے جا سکتے ہیں اور برائیوں کو چھوڑ کر اچھائیوں کو اپنا سکتے ہیں۔ حسینی اور یزیدی نظریات قیامت تک چلتے رہیں گے اور دونوں نظریات کی لڑائی ہمیشہ جاری رہے گی۔ دونوں لشکر ہمیشہ تھے اور رہیں گے۔ ایک کا کام نظام حق کو درہم برہم کرنا ہے اور دوسرے کا کام اس کی حفاظت کرنا ہے، ایسا نہیں کربلا ۶۰ھ میں ختم ہو گیا بلکہ حسینی اور یزیدی دونوں نظریات کی لڑائی صبح قیامت تک جاری رہے گی۔ جس نے بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کے نظریات کی تائید کی گویا وہ لشکر حسینی میں ہے اور جس نے یزید کے نظریات کی تائید کی لشکر یزید میں سے ہے۔ آپ کس جماعت سے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا کیونکہ یزیدی کردار اور اس کا مشن اسلامی اصولوں اور قدروں کے خلاف تھا۔ یزید کا مشن یہ تھا:

۱- زنا کا ارتکاب اور زنا کی کھلی چھوٹ۔

۲- شراب اور شراب نوشی عام کرنا۔

۳- ناچ گانا عام کرنا اور خود بھی اس میں مست رہنا۔

۴- استلذاذ بالمحرمات (حرام امور کے ساتھ عیاشی کرنا)

۵- خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو پامال کرنا۔

۶- مظلوموں اور اہل حق پر ظلم روا رکھنا۔

علامہ جلال الدین سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں رقم طراز ہیں:

حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ واللہ ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت اختیار کی جب ہم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم پر آسمانوں سے پتھروں کی بارش ہو گی۔ کیونکہ یزید کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے۔ شرابیں عام طور سے پی جا رہی تھیں اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی اور یزید خود ان عورتوں سے شادیاں کر رہا تھا جن کو اسلام نے محرمات میں شمار کیا ہے اور دیگر بہت ساری خرافات و منہیات کا اعلانیہ رواج ہو گیا تھا۔ ابو یعلیٰ اپنی مسند میں حضرت ابوعبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ بنی امیہ میں یزید نامی ایک شخص ہو گا جو اس عدل و انصاف میں رخنہ اندازی کرے گا۔''

ایسی ہی ایک اور روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید'' میری سنت کو پہلا بدلنے والا بنی امیہ کا ایک شخص ہو گا جس کا نام یزید ہو گا۔ اسے امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں نقل کیا ہے۔ نوفل بن ابوالفرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید کا کچھ ذکر آ گیا۔ ایک شخص نے یزید کا امیر المومنین یزید بن معاویہ کہہ کر نام لیا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا تو اسے امیر المومنین کہتا ہے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیر المومنین کہنے والے شخص کو بیس کوڑے لگائے جائیں۔

یزید نے جن سنگین جرائم کا ارتکاب کیا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو یوں بیان کیا ہے:

۱- یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں انتہائی بے دردی سے شہید کروایا اور اہل بیت کی اہانت کی۔ یزید ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔

۲- کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کر کے اسے آگ لگادی۔

۳- حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین دن کیلئے مباح رکھا اور قتل وغارت گری کی۔ دس ہزار کے قریب مسلمانوں کو شہید کیا جن میں سترہ سو مہاجرین، انصار، صحابہ کبار، تابعین اور سات سو حافظ قرآن تھے۔

۴- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام نکاح بھیجا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل پر اور ابن زیاد اور اس کے ساتھ یزید پر بھی۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب یزید پلید قتل امام و ہتک حرمت اہل بیت سے فارغ ہوا تو اس غرور سے اس کی شقاوت وقساوت اور زیادہ ہوئی۔ چنانچہ لواطت اور زنا، بھائی کا بہن سے نکاح اور سود وغیرہ منہیات کو اس نے اعلانیہ رواج دیا۔ جس دن اس پلید کے حکم سے کعبہ کی بے حرمتی کی گئی اسی دن حمص میں وہ واصل جہنم ہوا۔ (سر الشہادتین)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی یزید نے کوئی اچھا کام نہیں کیا بلکہ اس کی شقاوت و بدبختی اور قساوت قلبی اس قدر زیادہ ہوگئی اور اس نے وہ گل کھلائے اور سیاہ کارنامے انجام دیئے جس سے انسانیت شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ اس کے عہد میں اعلانیہ بدکاریاں ہونے لگیں۔ اس نے مسلم بن عقبہ کو بیس ہزار کا لشکر دے کر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ پر حملے کرنے کیلئے بھیجا۔ اس بدبخت نے لشکر مدینہ میں وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا جس کے تصور سے روح تڑپ اٹھتی ہے ساکنین مدینہ منورہ ہمسایہ گان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کی انتہا کر دی قتل وغارت، لوٹ مار اور آبرو ریزی کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ توبہ توبہ...... ظالموں نے تین روز کیلئے مدینہ طیبہ کو مباح قرار دے کر ان تین روز میں جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اس کا تفصیلاً ذکر کرنا ناگوار ہے۔ مدینہ طیبہ کی رہنے والی پاکدامن عورتوں کی عزت و آبرو کو لوٹا۔

وہ شہر جس نے رسول خدا کو پناہ دی تھی اور جس کو آپ کے وجود مبارک نے مقدس بنا دیا تھا۔ اب شامی فوجیوں کی لوٹ کھسوٹ کا مرکز بنا۔ اہل مدینہ پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ مسجد نبوی کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا اور مقامات مقدسہ سے سامان آرائش اتار لیا گیا۔

شہادت حسین کے بعد گورنر مدینہ عثمان بن محمد ابن ابی سفیان نے اہل مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس دمشق روانہ کیا۔ اس وفد میں دیگر اشرف مدینہ کے علاوہ عبداللہ بن حنظلہ انصاری بھی تھے۔ وفد جب مدینہ واپس پہنچا، لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہوئے اور دربار دمشق اور یزید کے کوائف و حالات کو دریافت کیا تو عبداللہ بن حنظلہ نے فرمایا: ''بیشک ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جو کوئی دین ہی نہیں رکھتا۔ شراب پیتا ہے، طنبور بجاتا ہے، اس کی صحبت میں گانے والیاں گانا بجایا کرتی ہیں۔ وہ کتوں سے کھیلتا ہے۔ مردلڑکوں اور لونڈیوں سے صحبت رکھتا ہے۔'' وفد کے بیانات نے عمائدین مدینہ کو مشتعل کر دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ نے کہا: انا نشهدكم انا قد خلعناه ۔ ہم تمہیں گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے اسے (یزید) معزول کیا۔ لوگوں نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا امیر مقرر کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یزید کے حکم کے مطابق تین دن تک شہر مدینہ میں زنا مباح رکھا گیا۔ شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ وحشی فوجوں نے گھروں میں گھس گھس کر عورتوں کی عصمت دری کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار عورتوں کے پیٹ سے ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حتی قیل حملت الف مرة تلك الايام من غير زوج (ترجمہ) کہا جاتا ہے کہ انہی دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں۔ مسجد نبوی شریف کے اندر یزیدیوں نے گھوڑے باندھے، کئی روز تک مسجد نبوی شریف گھوڑوں کے پیشاب اور لید سے آلودہ رہی۔

مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد یزید کی فوج حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کیلئے مکہ معظمہ روانہ ہوئی۔ فوج کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ تو راستے میں ہی ہلاک ہو گیا لیکن مرنے سے پہلے اس نے حصین بن نمیر کو بحکم یزید اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ ابن نمیر نے مکہ پہنچ کر حرم کا

(جہاں عبداللہ بن زبیر پناہ گزین تھے) محاصرہ کرلیا اور منجنیق سے سنگ باری کی۔ جس سے صحن شریف پتھروں سے بھر گیا اور اس کے صدمہ سے مسجد حرام کے ستون ٹوٹ گئے اور کعبہ مکرمہ پر سنگ باری کرنے سے اس کی دیواریں شکستہ ہوگئیں اور چھت گر گئی۔ یزیدی لشکر پتھر برسانے کے بعد روئی گندھک اور رال کے گولے بنا بنا کر پھینکنے لگے جس سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔ اس کا غلاف جل گیا اور اس دنبہ کا سینگ جو فدیہ حضرت اسماعیل علیہ السلام میں جنت سے بھیجا گیا تھا۔ اس کا سینگ بطور تبرک کعبہ شریف کی چھت میں آویزاں تھا وہ بھی جل گیا۔ کعبہ مقدسہ کئی روز تک بے لباس رہا اور وہاں کے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ ابھی شامی لشکر کعبہ شریف اور اہل مکہ کی تاراجی میں لگا ہوا تھا کہ اچانک یزید پلید کے مرنے کی اطلاع ملی۔ ابن نمیر نے یہ خبر سنی تو اس کے حوصلے پست ہو گئے اور اس نے محاصرہ اٹھالیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

البدایہ والنہایہ، ابن اثیر اور امام طبری نے نقل کیا ہے کہ چونسٹھ روز تک برابر مکہ مکرمہ کا محاصرہ رہا اور یزیدی لشکر لوگوں کو قتل کرتے رہے۔ حرم شریف کے لوگ دو ماہ تک سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ صفا مروہ کے درمیان منجنیق سے لوگوں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ انتہائی شرمناک والمناک اور دل سوز واقعات ربیع الاول ۶۴ھ کے شروع میں ہوئے اور اسی ماہ کے آخر میں جبکہ ابھی کعبہ میں جنگ جاری تھی۔ بد بخت وبد نصیب یزید پلید کے مرنے کی خبر آئی۔ جوں ہی اس کی ہلاکت کی خبر آئی، حضرت عبداللہ بن زبیر نے باآواز پکارا: ''اے شامیو! تمہارا طاغوت ہلاک ہوگیا'' یزید کی موت کی خبر سے اہل شام کی ہمتیں چھوٹ گئیں اور حوصلے پست ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے انصار کے حوصلے بلند ہو گئے۔ چنانچہ وہ شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور شامی لشکر خائب وخاسر ہو کر بھاگا اور اہل مکہ کو اس لشکرِ شریر کے ظلم وشر سے نجات ملی۔

بد بخت یزید پلید نے تقریباً ساڑھے تین برس حکومت کی اور اڑتیس یا انتالیس برس کی عمر میں قریہ حوارین میں اس کی موت واقع ہوئی۔

قریہ حوارین سے یزید کی لاش کو دمشق لایا گیا۔ اس کے بیٹے خالد یا معاویہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور مقبرہ باب الصغیر میں دفن کیا اور اس کی قبر مزبلۂ شہر ہے۔ جب

عباسیوں کا دور آیا تو ان کے بانی عبداللہ السفاح نے اقتدار سنبھالتے ہی حکم دیا کہ بنو امیہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ کئی اموی حکمرانوں کی قبروں تک کو کھودا گیا۔ یزید کی ہڈیاں جلا دی گئیں۔ ۶۵ھ میں مختار ثقفی نے خون امام عالی مقام کا بدلہ لینا شروع کیا اور کہا میں ان شاء اللہ اسی طرح بنی امیہ اور اس کے معاونین کا خون بہاؤں گا جس طرح بخت نصر نے یہودیوں کا خون بہایا تھا۔ سب سے پہلے مختار نے یزید کی قبر کھدوائی اس میں جلی ہوئی ہڈیاں نکلیں۔ مختار نے ان ہڈیوں کو دوبارہ جلوایا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دمشق کے تاریخی قبرستان باب الصغیر میں جہاں یزید پلید کی قبر ویران پڑی ہے اور باعث عبرت ہے وہیں حضرت زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر انور ہے جو آج بھی مرجع عام وخاص بنی ہوئی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو چھوڑ کر باقی شہدائے کربلا کے سروں کو بھی دمشق کے اسی تاریخی قبرستان باب الصغیر میں دفن کیا گیا جو مرجع عالم بنا ہوا ہے۔ بے شمار زائرین کی آمد ورفت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ آج تک لوگوں کے دلوں پر ان کی حکمرانی ہے۔ یزید، عبیداللہ بن زیاد، شمر لعین، خولی، عمرو بن سعد اور دیگر قاتلان حسین تاریخ عالم کے ہمہ گیر اصول مکافات سے نہ بچ سکے۔ حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہما کے جن الفاظ کو سن کر یزید بن معاویہ اور اس کا دربار سناٹے میں رہ گئے تھے، وہ یہ تھے: ''حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے تم نے جس سلطنت کو پانی دیا اس پر تیری اولاد بھی نہ تھوکے گی'' چنانچہ معاویہ بن یزید کو اپنے باپ کی موت کے بعد حکمران بنایا گیا۔ لیکن وہ جلد ہی خلافت سے دستبردار ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس کو زہر دے کر مروایا گیا کیونکہ اس کا ماننا تھا کہ یزید نے ظلم وجبر کو روا رکھتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا ہے۔ حالانکہ امام عالی مقام خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ امام طبری کے قول کے مطابق معاویہ بن یزید نے لوگوں سے کہا کہ تم اپنے معاملات کو خود بہتر سمجھتے ہو جسے چاہو اپنے لئے منتخب کرلو۔ قاتلان حسین کو مختار ثقفی نے چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غرض قاتلان حسین پر اللہ کا قہر مختار ثقفی کی صورت میں نازل ہوا۔ حالانکہ امویوں کی حکومت بدستور جاری تھی۔

۲۳ ماہ رجب ۶۰ھ کو حضرت امیر معاویہ کا انتقال ہوا۔ اپنی وفات سے پیشتر انہوں

نے یزید کو اپنے پاس بلا کر حسب ذیل وصیت کی: ’’اے فرزند میں نے تجھے خلیفہ اسلام بنانے کی انتہائی کوشش کی اور عرب کے بڑے بڑے سورماؤں کو مجبور کر کے تیری بیعت لی۔ صرف پانچ آدمیوں (تعداد چار بنتی ہے) نے اس وقت تک تیری بیعت سے انکار کیا ہے۔ ان کے متعلق میں تجھے وصیت کرتا ہوں اور تو اسی وصیت کے مطابق کاربند ہونا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر گوشہ نشیں اور عافیت پسند ہیں ان سے تجھے کوئی خطرہ نہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک سے کام لینا۔ عبداللہ بن عمر عابد و زاہد ہیں۔ انہیں عبادت سے سب سے زیادہ پیار ہے۔ مال و ملک کی رغبت نہیں۔ ان کی دل جوئی بھی مدنظر رکھنا۔ عبداللہ بن زبیر بہت چالاک ہیں۔ ان کے مکر و فریب سے غافل نہ رہنا۔ اگر یہ تیری بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دینا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگر تیری بیعت کر لیں تو بہتر ورنہ تو اپنے کو ان سے بچانا اور ان کی عزت کا خیال رکھنا۔ اہل مکہ و اہل مدینہ سے ہمیشہ اچھا سلوک کرنا، کیونکہ یہ لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سایہ ہیں۔‘‘

یزید پلید نے خلافت اسلامیہ کے مقدس تخت کو اپنے ناپاک قدموں سے نجس کرتے ہوئے امیر معاویہ کی وصیت کو نظر انداز کر دیا اور حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ سے عموماً اور ان چار اصحاب یعنی حضرت امام حسین، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خصوصاً فوراً بیعت لی جائے۔ کیونکہ ان لوگوں نے بیعت سے انکار کیا ہے اور اگر یہ چاروں اصحاب بیعت نہ کریں تو ان کے سر قلم کر دیئے جائیں۔

اسیران حرم تمام کوچہ و بازار میں گشت کراتے ہوئے دربار یزید میں لائے گئے۔ دربار کو رنگ برنگ جھنڈوں سے سجایا گیا تھا۔ بہت سے لوگ یزید کو مبارک باد دینے کیلئے دربار میں حاضر ہوئے تھے، یزید خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اپنے خیال میں اسے بڑی جیت ہوئی تھی۔ اس وقت یزید شراب پی کر مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔ اسیران حرم دربار یزید میں کھڑے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ انور یزید پلید کے سامنے رکھا ہوا تھا اور یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کو وہ آپ کے دندان مبارک پر مارتا تھا اور کہتا تھا کہ اب تو ان کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسا کہ حسین ابن الحمام نے کہا ہے۔

ترجمہ: یعنی ہماری قوم نے تو انصاف سے انکار کر دیا تھا پس تلواروں نے انصاف کر دیا۔ جو ہمارے دائیں ہاتھوں میں تھی جن سے خون ٹپکتا ہے وہ ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑتی ہیں جو ہم پر غالب تھے اور وہ نہایت نافرمان اور ظالم تھے۔

دوسری روایت کے مطابق جب سر انور یزید کے پاس لا کر رکھا گیا تو وہ خوش ہوا اس نے اہل شام کو جمع کیا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے سرِ انور کو الٹ پلٹ کرتا تھا۔

امام المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے یزید کی علامات فسق و فجور کے ظاہر ہونے کے بعد منبر پر چڑھ کر اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص مخدومی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کہا اگرچہ یزید نے مجھ کو صلہ اور انعام دیا ہے۔ لیکن وہ خدا کا دشمن اور دائم السکر ہے۔ میں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے جیسے اپنی دستار سر سے اتار لی ہے۔ پھر دوسرے اٹھے اور انہوں نے اپنی جوتیاں پاؤں سے نکال کر پھینک دیں اور کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے۔ یہاں تک کہ عماموں اور جوتیوں سے مجلس بھر گئی۔

محدث جلیل حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید کے گناہوں میں حد درجہ بڑھ جانے کی وجہ سے اہلِ مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی تھی۔ (صواعق المحرقہ)

یزید کے فسق و فجور میں صحابہ کرام کی دو رائیں نہ تھیں بلکہ اس کے خلاف کھڑے ہونے میں دو رائیں تھیں جبکہ یزید کا فسق مسلمہ کل تھا۔ اس لئے امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف اپنے مؤقف میں حق پر تھے۔ جن صحابہ نے یزید کی بیعت کی اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی وہ اس کے خلیفۂ برحق ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری سے بچنے کیلئے تھا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر فتنہ و فساد بڑھ گیا تو اس کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے رخصت پر عمل کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ حق کیلئے ڈٹ گئے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان قربان کر کے عزیمت پر عمل پیرا ہوئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی غلطی تھی کہ انہوں نے ایک امام عادل بادشاہ وقت کے خلاف

آواز اٹھائی جس سے آپ باغی کہلائے اور اس کی سزا قتل ہے۔ تو ایسے گندے خیالات کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

’’قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان کی شریعت کے مطابق قتل کیے گئے۔ غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کےخلاف کھڑے ہونے والے کیلئے قتل کی جو سزا تجویز کی ہے۔ وہاں شرط یہ ہے کہ امام عادل ہو۔ قاضی صاحب نے اس شرط کو نظرانداز کر کے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ حالانکہ حسین کے زمانے میں ملت کی امامت وسرداری کیلئے امام حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ عادل وکامل اور مستحق کون ہوسکتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

ملا علی قاری فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: ’’اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی تھے تو یہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خارجیوں کی بکواس ہے جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔‘‘

یزید کے گندے کردار کے بارے میں علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں: ’’اور بے شک روایت سے یہ ثابت ہے کہ یزید آلات لہو ولعب، شراب نوشی اور سیر وشکار کیلئے اپنے زمانے میں بہت زیادہ مشہور تھا۔ نوعمر لڑکوں، گانے والی دوشیزاؤں اور کتوں کو اپنے پاس جمع رکھتا تھا اور سینگ والے لڑاکا مینڈھوں، سانڈوں اور بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا۔ اور ہر دن صبح کے وقت نشے میں مخمور ہوتا تھا اور بندروں کو زین کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار کر کے دوڑاتا تھا اور بندروں اور نوعمر لڑکوں کو سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرواتا تھا اور جب کوئی بندر مر جاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔‘‘

آج عوام الناس کو یہ دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے کہ یزید انتہائی شریف اور نیک طبیعت کا مالک تھا اور وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیے جانے یا ان کے شہید ہونے پر کبھی خوش نہیں ہوا اور یہ سب کچھ ابن زیاد کی جانب سے ہوا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضامند تھا۔ ہمارے

نزدیک یہ بات مردود اور باطل ہے کیونکہ اس شقی، کا اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنا اور ان کے قتل سے خوش ہونا اور ان کی اہانت کرنا معنوی طور پر درجہ تواتر کو پہنچ چکا ہے اور اس کا انکار تکلف اور مکابرہ یعنی خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے۔ (تکمیل الایمان)

تاریخ کامل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یزید کو قاتل حسین قرار دیا ہے۔ علامہ سعداللہ بن تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں: ’’اور حق یہ ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہونا اور خوش ہونا اور اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا ان امور میں سے ہے جو تواتر معنی کے ساتھ ثابت ہیں اگرچہ ان کی تفاصیل آحاد سے ثابت ہیں۔‘‘

البدایہ والنہایہ اور تاریخ الخلفاء میں درج روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یزید اولاً تو امام کے قتل سے خوش ہوا مگر جب بعد میں اپنی ذلت اور رسوائی کا اندیشہ ہوا تو نادم ہوگیا اور یہ ندامت امام کے قتل پر نہ تھی بلکہ اپنی رسوائی پر۔

یزید جنگ قسطنطنیہ کے اول حملے میں شریک نہیں تھا لیکن کچھ نام نہاد محققین یزید کو اس غزوہ میں شامل کرنے کیلئے سعی لاحاصل کر رہے ہیں۔ صحیح بخاری کی اصل عبارت یہ ہے:

’’اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر فغفرلھم۔‘‘

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کرے گا ان کیلئے مغفرت ہے۔

اس حدیث پاک میں دو بنیادی باتیں غور طلب ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حدیث میں قسطنطنیہ کا نام نہیں ہے۔ مدینۂ قیصر ہے یعنی قیصر کا شہر۔ قیصر کی سلطنت میں کوئی بھی شہر مدینہ قیصر ہوسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شہر پر پہلا حملہ کب ہوا؟ تاریخ وسیر کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں ہوا۔ ارشاد الساری شرح بخاری اور عمدۃ القاری میں صراحت کی گئی ہے کہ اس غزوہ میں اکابر صحابہ شریک ہوئے تھے اور اس کی سرکردگی سفیان بن عوف کر رہے تھے نہ کہ یزید۔ تاریخی کتابوں میں وارد ہے کہ یزید اول لشکر میں ہرگز ہرگز شریک نہیں ہوا تھا اور بشارت پہلے لشکر

والوں کیلئے ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے تو یزید سزا کے طور پر بھیجا گیا اور مجبوراً بادل ناخواستہ قہر درویش بر جان درویش کے طور پر قدم اٹھانا پڑا۔

یزید نے اسلام کا کھلا انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی بتوں کی پوجا کی تھی۔ مسجدیں بھی مسمار نہیں کی تھیں وہ اسلام کا نام لیتا تھا اور بیعت بھی اسلام کے نام پر لیتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ اسلام کا کھلا انکار تو ابولہبی ہے۔ یزیدیت یہ ہے کہ اسلام کا نام بھی لیا جائے اور اسلام سے دھوکہ بھی کیا جائے۔ اسلام کا نام لیا جائے اور امانت میں خیانت بھی کی جائے۔ نام اسلام کا لیا جائے اور آمریت مسلط کی جائے۔ اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو کچلا جائے اور اسلام کے مقدس نام کو پامال کیا جائے۔ یزیدیت اسلام سے منافقت اور دجل و فریب کا نام ہے، یزیدیت اسلامی نظام کے ساتھ دھوکہ کرنے اور بیت المال کی دولت کو اپنے عیش وعشرت پر خرچ کرنے کا نام ہے۔ (مابعد کربلا)

حسینیت کا تقاضا ہے کہ جہاں جہاں یزیدیت کے کردار کا نام ونشان نظر آئے تو غلام حسین بن کر یزیدیت کے بتوں کو پاش پاش کردو۔ اس کیلئے خواہ ہمیں اپنا مال، اپنی جان اور اپنی اولاد ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑے۔ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کائنات انسانی کو دو کردار مل گئے۔ نمبر ایک یزیدیت جو دہشت گردی، قتل و غارت گری، خون انسانی کا استعارہ بن گئی اور حسینیت جو عدل و انصاف اور تحفظ دین مصطفیٰ کی علامت ٹھہری، قیامت تک حسین بھی زندہ رہے گا اور حسینیت کے پرچم بھی قیامت تک لہراتے رہیں گے۔ یزید اور یزیدیت قیامت تک مردہ ہیں۔

آئیے ہم عہد کرلیں کہ فاطمہ کے لال کے روحانی اور فکری انقلاب کو زندہ کریں۔ ان کی عظیم قربانی سے سبق سیکھیں۔ ان کے غم کو شب وروز تازہ رکھیں اور اپنے آپ کو مکمل طور پر ان کے مقدس دامن سے وابستہ کر کے دنیا کے باطل پرست انسانوں کو بتادیں کہ دنیا کے بڑے بڑے تاجدار تو مٹ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے جابر حکمران تو فنا ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے پرشکوہ بادشاہ تو بے نشان ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک حق پرست انسان بے سروسامان ہونے کے باوجود بھی مٹ نہیں سکتا۔

☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک و اصحٰبک یا حبیب اللہ

دارالافتاء اہلسنّت

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(1) امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کیسے ہوئی تھی؟

(2) جو شخص یہ کہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا اس کیلئے کیا شرعی حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب بعون الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

(1) امام عالی مقام امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ چنانچہ امام جلال الدین السیوطی (متوفی 911ھ) تاریخ الخلفاء، جلد 1، صفحہ 147 میں اور امام ابن حجر ہیتمی متوفی 974ھ) الصواعق المحرقہ میں لکھتے ہیں: واللفظ للثانی "وكان سبب موته أن زوجته جعدة بنت الأشعث بن قيس الكندی دس اليها يزيد أن تسمه ويتزوجها وبذل لها مائة ألف درهم ففعلت فمرض أربعين يوما فلما مات بعثت الى يزيد تسأله الوفاء بما وعدها فقال لها انا لم نرضك للحسن فنرضاك لأنفسنا؟" یعنی اور امام حسن کی موت کا سبب یہ تھا کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کو یزید نے فریب دیا کہ وہ امام حسن کو زہر پلا دے اور پھر میں تم سے شادی کروں گا اور اس نے اس کام کیلئے ایک لاکھ درہم خرچ کئے۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا جس کی وجہ سے امام حسن چالیس دن بیمار رہے پھر جب وہ فوت ہوئے تو اس عورت نے یزید کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے تو اس نے کہا: ہم نے تجھے امام حسن کیلئے پسند نہیں کیا تو اپنے لئے کس طرح کر سکتے ہیں؟

(الصواعق المحرقۃ، جلد 2، صفحہ 413، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(2) یہ زہر کس نے دلوایا اس کے بارے میں معتبر کتب میں یہی لکھا ہے کہ یہ یزید کے کہنے و ورغلانے سے ایسا کیا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعضوں نے اس کا رد بھی کیا ہے، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح کی بات کسی بھی معتبر سند سے ثابت نہیں۔ معتبر سند کا ہونا تو دور کی بات، یہاں تو اس کے قائل کا ہی علم نہیں کیونکہ جس کسی نے ایسی بات کی فقط یہ کہا: ''کہ میں نے کسی سے سنا ہے وہ یوں کہتا ہے۔'' اور ادنیٰ سا علم رکھنے والا آدمی بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ ایسی بات، جس کا قائل ہی مجہول شخص ہے اور پتہ نہیں کہ وہ عادل بھی ہے یا فاسق ہے اور اپنی طرف سے بیان کر رہا ہے یا کسی سے سن کر کہہ رہا ہے، کسی بھی طرح معتبر نہیں ہوسکتی خصوصاً وہ کہ جس میں کسی پر تہمت والزام لگایا گیا ہو۔ پھر جس بات میں عام مسلمان نہیں بلکہ ایک صحابی رسول کے بارے میں تہمت لگائی گئی ہو وہ کس طرح معتبر ہوسکتی ہے؟ اگر ایسی باتیں معتبر ہونے لگیں پھر تو ہر دوسرا آدمی اٹھ کر کسی بھی آدمی بلکہ کسی بھی صحابی کے بارے میں معاذ اللہ تہمت لگادے گا اور یہ بالکل عقل سے بالاتر بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے اس طرح کی بات لکھ دی علماء کرام نے واضح کر دیا ہے کہ یہ بات درست نہیں بلکہ بدمذہبوں کی اپنی من گھڑت حدیث ہے چنانچہ اسماعیل بن عمر ابن کثیر قرشی (متوفی 774ھ) لکھتے ہیں: ''......وقد سمعت بعض من يقول كان معاوية قد تلطف لبعض خدمه أن يسقيه سما...... وروى بعضهم أن يزيد بن معاوية بعث الى جعدة بنت الأشعث أن سمي الحسن وأنا أتزوجك بعده...... وعندي أن هذا ليس بصحيح، وعدم صحته عن أبيه معاوية بطرقي الأولى''...... میں نے بعضوں کو سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے خادموں میں سے بعض کو ورغلایا کہ وہ امام حسن کو زہر پلا دے۔ اور بعضوں نے یہ روایت کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو کہا کہ وہ حسن کو زہر پلا دے بعد میں میں اس سے شادی کرلوں گا۔ اور میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور جب یہ یزید کے بارے میں صحیح نہیں ہے تو ان کے والد معاویہ کے بارے میں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، جلد 8، صفحہ 47، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مشہور مؤرخ عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد، ابن خلدون (متوفی 808ھ) اپنی کتاب تاریخ ابن خلدون میں لکھتے ہیں: ''وما ينقل من أن معاوية دس اليهم اسم مع زوجه جعدة بنت الأشعث فهو من أحاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك'' یعنی اور جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی بیوی جعدہ بنت الاشعث کے ساتھ مل کر انہیں دھوکہ وفریب دیا تھا یہ شیعوں کی باتوں میں سے ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہرگز ایسا درست نہیں ہوسکتا۔

(تاریخ ابن خلدون، جلد 2، صفحہ 649، دار الفکر، بیروت)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے چنانچہ کتاب معاویہ بن ابی سفیان میں ہے: ''وقال الذهبی قلت هذا شیء لایصح'' ترجمہ: امام ذہبی نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ (معاویہ بن ابی سفیان، جلد 1، صفحہ 232، دار الاندلس الجدیدۃ، مصر)

لہٰذا جب یہ بات ثابت نہیں تو پھر جو شخص معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کی بات کرتا ہے وہ شخص سخت حرام وناجائز بات کرتا اور جہنم کا حقدار بنتا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف بلاثبوت شرعی گناہ کی نسبت کرنا یعنی الزام وتہمت لگانا سخت حرام ہے ایسے کے بارے میں جہنم کی وعید ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من قال فی مؤمن ما لیس فیه أسکنه الله ردغة الخبال حتی یخرج مما قال'' ترجمہ: جو کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کہے کہ جو اس مسلمان میں نہیں پائی جاتی تو اس کو اللہ عزوجل اس وقت تک دوزخیوں کے پیپ اور خون وغیرہ جمع ہونے والی جگہ پر رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل آئے۔ (یعنی جب تک سزا پوری نہ ہو جائے یا مغفرت وشفاعت نہ ہو جائے) (سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، باب فیمن یعین علی الخ، جلد 3، صفحہ 305، مکتبہ عصریہ، بیروت)

ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ جس مسلمان پر گناہ کی تہمت لگائی گئی اگر اس نے وہ گناہ نہیں کیا تھا تو یہ تہمت، تہمت لگانے والے کی طرف لوٹ جائے گی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر، الا ارتدت علیه، ان لم یکن صاحبه کذلک'' یعنی جس شخص نے گناہ یا کفر

کی تہمت لگائی جائے اگر وہ ایسا نہیں تو وہ تہمت لگانے والے کی طرف لوٹ جائے گی۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما نہی من السباب، جلد 8، صفحہ 15، دار طوق النجاۃ)

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی کہ کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک ثبوت کامل نہ ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "**لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق**" ترجمہ: بغیر تحقیق کئے کسی مسلمان کی کبیرہ گناہ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ (احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان، جلد 3، صفحہ 125، دار المعرفہ، بیروت)

اور پھر کسی صحابی کے بارے میں ایسا کہنا تو اور بھی بڑا گناہ ہے کہ اس میں اس صحابی کو ایذاء پہنچانا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایذاء پہنچانے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ ان کو ایذاء پہنچانا مجھے اور اللہ عزوجل کو ایذاء پہنچانے کے برابر ہے چنانچہ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**اللہ اللہ فی أصحابی، لاتتخذوهم غرضا بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذی الله فیوشك أن یأخذه**" ترجمہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ پس جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی پس اس نے اللہ عزوجل کو ایذاء دی اور جس نے اللہ عزوجل کو ایذاء دی قریب ہے کہ اللہ عزوجل اس کی پکڑ فرمائے گا۔ (سنن ترمذی، ابواب المناقب، جلد 5، صفحہ 696، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں معاذ اللہ طعن و تشنیع کرنا اور ان پر الزام تراشی کرنا گمراہ اور بدمذہب لوگوں کا کام ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحابہ وبارك وسلم

کتبہ: محمد ہاشم خان العطاری المدنی

2 ربیع الثانی 1434ھ 13 فروری 2013ء

اذانِ قبر کی ضرورت اور اس کے فائدے

مولانا محمد مجیب اللہ رضوی

تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے جس نے اذان کو ایمان کی علامت، سببِ امان، دلوں کا سکون، غم کا ازالہ اور اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنایا۔ اور صلاۃ وسلام تامہ کاملہ ہو اس ذات پر جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بلند کیا اور اس کے مرتبہ کو عظیم کیا، ان کے ذکر سے ہر خطبہ اور اذان کو زینت بخشی، اور آپ کی آل واصحاب پر جو موت وحیات، وجدان وفوت غرض کہ ہر وقت اپنے رب کریم کے ذکر کے ساتھ اپنے آقا کا ذکر کرتے ہیں۔ تمام علمائے کرام کے نزدیک بعدِ دفنِ میت قبر پر اذان کہنا بالکل جائز ومستحب بلکہ بعض علماء کے نزدیک سنت بھی ہے کہ احادیثِ مبارکہ اور فقہی عبارات سے اس کا بین ثبوت ہے، چونکہ دنیوی زندگی ختم ہونے پر انسان کیلئے دو بڑے بھیانک وخطرناک وقت ہوتے ہیں۔ ایک جاں کنی کا وقت دوسرا بعد دفن سوال نکیرین کے وقت کہ اگر جاں کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کیا دھرا سب بے کار گیا اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝"

یعنی بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (قرآن شریف، رکوع: ۱۱، پ: ۱۲)

لہٰذا انسان کا جب جاں کنی کا وقت ہوتا ہے تو شیطان لعین اس کے پاس آکر اس کے ایمان وایقان کو برباد کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کا خاتمہ ایمان کی حالت پر نہ ہو اور آئندہ کے تمام انعام واکرام سے محروم ہو جائے، اس لئے حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیاطین کے مکروشر سے بچنے بچانے کیلئے زندہ لوگوں کو مخاطب کرکے یہ ارشاد فرمایا: "**لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ**۔"

یعنی اپنے مردوں کو لاالہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (سنن ابی داؤد: ۱/۸۸)

پس زندہ لوگوں کو چاہئے کہ ان دونوں وقتوں میں میت کی امداد و اعانت کریں کہ مرتے وقت اسے کلمہ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفنِ میت اس تک کلمہ طیبہ کی آواز کو سنائیں کہ جاں کنی کے وقت وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب و کامران ہو۔ اس حدیث پاک کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں، اول معنیٰ مجازی، دوم معنیٰ حقیقی۔

پس جو حالتِ نزع میں ہے وہ مجازاً مردہ ہے اور اسے کلمۂ اسلام سنانے کی حاجت و ضرورت ہے تا کہ اس کا خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے اور بہلانے پھسلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا وہ حقیقتاً مردہ ہے اور اسے بھی کلمۂ پاک سنانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالیٰ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے۔ قبر میں نکیرین تین سوال کرتے ہیں "مَنْ رَّبُّکَ" تیرا رب کون ہے؟ "مَادِیْنُکَ" تیرا دین کیا ہے؟ "مَا کُنْتُ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلُ" تو اس مرد کامل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۵)

پہلے سوال کا جواب ہوا: "اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ" اور دوسرے کا جواب: "حی علی الصلوٰۃ" یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور تیسرے کا جواب: "اشہد ان محمداً رسول اللہ" لہٰذا اذانِ پاک سے سوال نکیرین کے جواب کی تعلیم و تلقین ہے۔ اور سوالاتِ قبر کے وقت شیطان مردود میت کے پاس آکر اسے بہکاتا اور ورغلاتا ہے، نیز اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مجھے خدا کہہ دے، جیسا کہ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اذا سئل المیت من ربك تراه له الشیطان فی صورة فیشیر الی نفسه أی أنا ربك فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل ."

یعنی جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے، یعنی میں تیرا رب ہوں، اس لئے حکم آیا کہ میت کیلئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ (نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول، ص:۳۲۳)

جب معلوم ہو گیا کہ بعدِ دفنِ میت قبر میں شیطان لعین آکر مردے کو بہکاتا ہے تو ایسی

صورت اختیار کرنی چاہئے جس سے وہ فرار ہو جائے اور اسے بھگانے کا صرف ایک ہی ذریعہ اور راستہ ہے اور وہ ہے اذان مبارکہ جسے سن کر وہ کوسوں دور بھاگ جاتا ہے جیسا کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اذا أذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص ."

یعنی جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز خارج کرتے ہوئے بھاگتا ہے۔ (الصحیح لمسلم، جلد اول، ص:۱۶۷)

اور جب مردہ عالم فانی سے آخرت میں جاتا ہے تو قبر میں اس کے دل میں وحشت، گھبراہٹ، بے چینی اور اپنے خویش و اقارب سے جدائی و علیحدگی کے سبب رنج و غم بھی ہوتا ہے اور اذان پاک کی برکت سے یہ دونوں چیزیں دفع و دور ہو جاتی ہیں، کیونکہ اذان دافع وحشت و باعث اطمینان خاطر اور سببِ کیف و سرور ہے۔ جیسا کہ حضور سرورِ کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نزل اٰدم بالهند واستوحش فنزل جبرئيل فنادیٰ بالأذان ."

یعنی حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت و گھبراہٹ ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اذان دی۔

(حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۰۷)

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

"رأنی النبی صلی الله علیه وسلم حزینا فقال یا ابن أبی طالب انی أراك حزینا فمر بعض أهلك یؤذن فی أذنك فانه یزیل الهم ."

یعنی مجھ کو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے رنجیدہ دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ اے ابو طالب کے بیٹے کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں، تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے، کیونکہ اذان غم و پریشانی کو دور کرنے والی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۲/۱۴۹)

اور اگر کوئی مردہ بالفرض اپنے اعمال بد کے باعث عذاب و عتاب میں مبتلا ہو جائے تو

اسے ہم اپنے ہاتھوں سے دور نہیں کر سکتے، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی تکبیر و تسبیح کا ورد کر کے اور بارگاہِ خداوندی میں اس کی مغفرت و بخشش کی دعا مانگ کر اسے اس عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں، کیونکہ تکبیر و تسبیح اور دعا سے عذاب ٹلتا ہے اور لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اطفؤا الحریق بالتکبیر ۔"

یعنی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۳۸)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اذا رأیتم الحریق فکبروا فانه لیطفیء النار ۔"

یعنی جب تم آگ دیکھو تو اللہ اکبر اللہ اکبر کی تکرار کرو کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (الکامل فی الضعفاء الرجال: ۴/۱۴۶۹)

اور اذان پاک میں تکبیر چھ بار آئی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید کامل ہے کہ اس کی برکت سے قبر میت میں لگی ہوئی آگ بجھ جائے۔

اور اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے اور تنگی قبر سے نجات وامان ملتی ہے، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال لما دفن سعد بن معاذ وسویٰ علیه سبح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وسبح الناس منه طویلا ثم کبر وکبر الناس ثم قالوا یا رسول الله لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علیٰ هذا الرجل الصالح قبره حتیٰ فرج الله تعالیٰ عنه ۔"

یعنی جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کہتے رہے، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلے تسبیح پھر تکبیر کیوں پڑھی۔ ارشاد فرمایا کہ اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

نے وہ تکلیف دور کر دی اور قبر کو کشادہ فرما دیا۔ (مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۶۰)

اور اس کی شرح میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أی ما زلت أکبر وتکبرون وأسبح وتسبحون حتی فرجه الله ۔"

یعنی حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۱۱)

اور جہاں کہیں اذان کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب وعتاب سے محفوظ و مامون ہو جاتی ہے۔

حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے:

"اذا اذن فی قریة امنها الله من عذابه فی ذٰلك الیومْ ۔"

یعنی جب کسی گاؤں میں اذان کہی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے۔ (المعجم الکبیر: ۱/۲۵۷)

اور اذانِ پاک میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ نزولِ رحمت ہے، نیز تمام محبوبانِ خدا وصالحین کا ذکر باعثِ نزولِ رحمت ہے، جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة ۔"

یعنی نیکوں کے ذکر کے وقت رحمت اترتی ہے۔

ابو جعفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فرسول صلی الله علیه وسلم رئیس الصالحین ۔"

یعنی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام صالحین کے سردار ہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین: ۶/۳۵۱)

ان تمام عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اذان سے میت کیلئے بہت سارے فائدے ہیں، مثلاً قبر میں شیطان رجیم کے شر سے پناہ، عذاب قبر وعذاب نار سے حفظ وامان، جواب نکیرین

میں آسانی، اذان کی آواز کو سن کر شیطان کا وہاں سے فرار ہو جانا، اس کی بدولت دل سے وحشت، گھبراہٹ اور پریشانی کا دفع ہو جانا، اور رنج وغم سے نجات پانا اور کیف وسرور کا حاصل ہونا، اور قبر کا فراخ وکشادہ ہونا نیز تنگیٔ قبر سے نجات پانا، اور بہ برکت ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت الٰہی کا اترنا، تو جب اذانِ پاک کی برکت سے میت کو اتنے فائدے حاصل ہوتے ہیں تو بحکم حدیث "خیر الناس من ینفع الناس" ہمیں زیادہ سے زیادہ اپنے مردہ بھائیوں کو فائدہ پہنچانا چاہئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"ان موجبات المغفرة ادخالك السرور علی اخیه المسلم ۔"

یعنی بے شک موجبات مغفرت سے ہے تیرا اپنے مسلم بھائی کو خوش کرنا۔

(المعجم الکبیر: ۳/۸۳)

اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"من استطاع منکم أن ینفع أخاه فلینفعه ۔"

یعنی تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے مسلم بھائی کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم و مناسب ہے کہ پہنچائے۔ (الصحیح المسلم: ۲/۲۲۴)

لہٰذا بعد دفن اذان کہنا جائز ومستحب ہے، لیکن کچھ جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کیلئے ہے۔ یہاں کون سی نماز ہوگی، جس کیلئے اذان کہی جارہی ہے، مگر یہ ان کی جہالت ونادانی اور لاعلمی ہے، شریعت مطہرہ نے نماز کے سوا کئی مختلف مقامات میں اذان دینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور فقہائے کرام نے اسے جائز ودرست رکھا، جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار باب الاذان میں دس جگہ اذان کہنا سنت لکھا ہے جو ان اشعار میں مرقوم ومذکور ہے۔

فرض الصلوٰة وفی اذن الصغیر وفی
وقت الحریق وللحرب الذی وقعا
خلف المسافر والغیلان ان ظهرت
فاحفظه لست من الذی قد شرعا
وزید اربع ذوهم : ذو غضب

مسافر ضل فی قفر ومن صرعا

یعنی اذان کہنا سنت ہے نمازِ پنج گانہ کیلئے، بچہ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، اور جب جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے، اور جن کے ظاہر ہونے پر، غصہ والے پر اور وہ مسافر جو راستہ بھول جائے اور مرگی والے کے لئے۔

(درمختار: ۱/۶۴)

اس کے تحت شامی میں حضرت علامہ محمد امین بن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قد یسن الأذان بغیر الصلوٰة كما فی أذان المولود والمهموم والمصروع والفضان ومن ساء خلقه من انسان أو بهيمة وعند مزدحم الجيش وعند الحريق وقيل عند انزال الميت القبور قياسا على أول خروجه للدنيا وعند تفول الغيلان أى تمرد الجن لكن رده ابن حجر فی شرح العباب ۔"

یعنی نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے، بچہ کے کان میں، غم زدہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں، اور جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے، لشکروں کے جنگ کے وقت، آگ لگ جانے کے وقت، میت کو قبر میں اتارتے وقت، اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے اور جن کی سرکشی کے وقت لیکن اس اذان کے سنت ہونے کا علامہ ابن حجر نے انکار کیا ہے۔ (ردالمحتار: ۱/۲۹۰)

مولائے کائنات ہم سب کو اس پر عمل اور منکرین کو اس کی سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆

تقلید کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمد الله العلى العظيم ونصلى علىٰ رسوله الكريم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد وہ احکام جن کی صراحت وتفصیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے، ان پر عمل سے متعلق احادیث وسیر کی کتابوں میں صحابۂ کرام کے دوگروہ نظر آتے ہیں:

پہلے گروہ میں حضرات خلفائے راشدین کے علاوہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہ کی ذوات قدسیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

یہ حضرات قرآن وحدیث ہی میں غور وفکر اور تدبر واجتہاد کر کے مسائل کا استخراج کرتے، خود ان پر عمل فرماتے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس پر عمل کیلئے کہتے۔ اس استخراج مسائل میں کبھی تو سب کا اتفاق ہوتا اور کبھی اختلاف بھی ہو جاتا۔ اختلاف کی صورت میں ہر صحابی عمل تو اپنے ہی استخراج کردہ مسئلہ پر کرتے، مگر دوسرے کے استخراج کردہ مسئلہ کو باطل وناروا نہیں کہتے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ کوئی شخص مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر کے انتقال کر جائے، تو اس کی بیوی مہر پائے گی اور مقدار، مہر مثل ہوگی۔ یعنی اس خاندان کی اسی طرح کی دوسری عورت کا جو مہر ہے وہی مہر اس کا بھی ہوگا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ وہ عورت مہر نہیں پائے گی صرف میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔

روی ان ابن مسعود سئل عمن تزوج امرأة ولم يسم لها مهرا حتى مات عنها، فاجتهد شهرا وقال بعد ذلك: ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ولكن اجتهد برائى، فان اصبت فمن الله، وان اخطأت فمني ومن الشيطان، ارى لها مهر مثل نسائها لا وكس ولا شطط ۔ وقال علي وحسبها الميراث ولا مهر لها لمخالفة رائه ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ جو شخص مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر کے انتقال کر جائے اس کی بیوی مہر پائے گی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک غور کرنے کے بعد جواب دیا کہ اس تعلق سے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے۔ ہاں! اپنے اجتہاد سے بتاتا ہوں اگر میرا اجتہاد درست ہو تو اللہ کی توفیق سے ہوگا، اور نادرست ہو تو میری سمجھ کا قصور اور شیطان کا بہکاوا ہوگا۔ میرے اجتہاد میں وہ عورت مہر مثل یعنی اس خاندان کی اسی طرح کی دوسری عورت کا جو مہر ہے وہی مہر پائے گی، کم وبیش نہیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت مہر نہیں پائے گی صرف میراث میں اس کا حصہ ہوگا۔ (نور الانوار، ص:۱۸۰)

یوں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ وتر کی تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔ ان کے برخلاف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت الگ سلام سے پڑھتے تھے۔ اس پر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شکایت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امیر معاویہ مجتہد ہیں اس لئے اس کو غلط نہیں کہا جائے گا۔

ففی صحیح البخاری عن عکرمة قال: قلت لابن عباس: ان معاوية اوتر بركعة ۔ فقال: انه فقيه ۔ (تطہیر الجنان از ابن حجر ہیتمی، ص:۴۰)

دوسرے گروہ میں عام صحابہ وتابعین ہیں۔ یہ حضرات مندرج بالا صحابۂ کرام کے بتائے ہوئے متفقہ مسائل پر عمل پیرا ہوتے، اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس کو جن سے دریافت کرنا ممکن ہوتا یا جس کو جن پر زیادہ اعتماد ہوتا وہ ان سے دریافت کر کے ان کے

بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کرتے۔ یہ حضرات ارشادِ قرآنی:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔ (توبہ:۱۲۲)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (انبیاء:۷)

اور حکم رسالت:

الا سألوا اذالم يعلموا فان شفاء العي السوال ۔

''نہ جانتے تھے تو پوچھ کیوں نہیں لیا؟ ناواقفیت کی شفا تو پوچھنے ہی میں ہے'' کے مطابق اسی کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

عرف و اصطلاح کی زبان میں پہلی قسم کے حضرات کو مجتہد مطلق۔ اور دوسری قسم کے حضرات کو مقلد کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید، دلیل کے بغیر مجتہد کی بات کو مان لینے کا نام نہیں، بلکہ اجمالی دلیل:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (انبیاء:۷)

''نہ جانتے تھے تو پوچھ کیوں نہیں لیا؟ ناواقفیت کی شفا پوچھنے ہی میں ہے'' کے مطابق اس گمان غالب کی بنا پر کہ مجتہد نے قرآن وحدیث کی تفصیلی دلیل ہی سے یہ مسئلہ متخرج کیا ہے، مان لینے کا نام تقلید ہے۔ تو درحقیقت مجتہد کی تقلید بھی قرآن وحدیث ہی کی دلیل کو ماننے کا نام ہوا۔

اس لئے وہ حضرات جو قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث میں غور

وفکر اور تدبر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج واستنباط نہیں کر سکتے، یعنی مجتہد نہیں ہیں، ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے دینی احکام پر عمل پیرا ہوں، یعنی مجتہد کے استخراج واستنباط کردہ مسئلہ کے مطابق عمل کریں۔ ان کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر مجتہد کے مذہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد ہی کے استخراج کردہ حکم پر عمل پیرا ہوں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے مجتہد کے استخراج کردہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو گمراہی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ مثلاً:

(۱) قرآن کریم میں ایک آیت ہے: اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج تم جن باندیوں کے مالک ہو وہ باندیاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ (نساء:۲۴)

اب اگر کوئی اس آیت کو سامنے رکھ کر ایسی دو باندیوں سے وطی کرنے لگ جائے جو سگی بہنیں ہوں تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن ہی نے دوسرے مقام پر دو سگی بہنوں سے وطی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

اور حرام ہے دو بہنوں کو اکٹھی کرنا۔ (نساء:۲۳)

اسی لئے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے:

احلتها آية وحرمتها آية والتحريم أولٰى ۔

ایک آیت نے بظاہر اسے حلال کیا ہے اور دوسری آیت نے حرام بتایا ہے تو حرام ہی مانا جائے گا۔

(۲) کوئی اسی آیت کریمہ: اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج تم جن باندیوں کے مالک ہو وہ باندیاں تمہارے لئے حلال ہیں۔ (نساء:۲۴) کو سامنے رکھ کر یہ سوچے کہ جب مملوکہ باندیاں حلال ہیں، تو چاہے فطری طور پر ان سے مباشرت (وطی) کی جائے یا غیر فطری طور سے مباشرت (لواطت) کی جائے، بہر صورت حلال ہوگی، اور غیر فطری مباشرت (لواطت) کرنے لگ جائے تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔

(۳) اسی طرح کوئی یہ سوچ کر کہ انّـــی کا ترجمہ ''جیسے'' اور ''جس جگہ'' دونوں ہوتا

ہے۔ آیت کریمہ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں جیسے چاہو اپنے کھیت میں آؤ۔ (بقرہ: ۲۲۳) کا ترجمہ یہ کرے کہ ''تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں جس جگہ چاہو اپنے کھیت میں آؤ، اور بیوی سے غیر فطری مباشرت (لواطت) جیسے فعل قبیح کو جائز سمجھ کر اس کا مرتکب ہونے لگے تو یقیناً وہ گمراہ ہوگا۔ کیونکہ دوسرے دلائل کے علاوہ خود اسی آیت کریمہ کے اشارۃ النص سے بھی حرمت ثابت ہو رہی ہے اس لئے کہ کھیت سے پیداوار مطلوب ہوتی ہے اور اس فعل قبیح سے پیداوار (اولاد) کا امکان ہی نہیں ہے۔ نیز شان نزول سے بھی اسی کی وضاحت ہوتی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں یہ بات تھی کہ عورت کو چت نہ لٹا کر کسی اور طریقہ سے مباشرت کی جائے تو بچہ احول (بھینگا) پیدا ہوتا ہے اس لئے آیت میں ان کی تردید کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کے احول (بھینگا) ہونے نہ ہونے میں طریقۂ وطی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بیویاں تمہارے کھیت ہیں اپنے کھیت میں پیداوار کیلئے جو طریقہ چاہو اپناؤ۔

(۴) حدیث میں: من شرب الخمر فاجلدوه...... فان عاد فی الرابعة فاقتلوه جو شراب پئے اسے کوڑے مارو دوبارہ سہ بارہ پئے تو دوبارہ، سہ بارہ کوڑے مارو، چوتھی بار پیئے تو قتل کردو۔ آیا ہے۔ اب اگر کوئی اس حدیث کو سامنے رکھ کر چوتھی بار شراب پینے والے کیلئے قتل کا حکم دے دے تو یقیناً گمراہی ہوگی۔ اس لئے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ خواہ کوئی کتنی ہی بار شراب پئے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہر مرتبہ کوڑے ہی مارے جائیں گے۔

(۵) صحیح مسلم میں متعدد طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر و العصر، والمغرب والعشاء بالمدينة فی غير خوف ولا سفر ولا مطر .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کسی خوف، سفر اور بارش کے بغیر بھی جمع بین الصلاتین کیا ہے۔ (ج:۱، ص:۲۴۶)

اب اگر کوئی اس حدیث کو سامنے رکھ کر بلا عذر گھر پر بھی ایک ہی وقت میں دو نمازوں

کے ادا کر لینے کو جائز سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو تو بلاشبہ گمراہی ہوگی۔ کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا○

بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (نساء:۱۰۳)

خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے:

من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقداتىٰ بابامن أبواب الكبائر .

جس نے بلا عذر دو نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھ لیں اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ (ترمذی، ج:۱، ص:۴۸)

ابوالعالیہ نے روایت کی ہے:

ان عمر رضى الله عنه كتب الىٰ ابہ موسىٰ الاشعرى رضى الله عنه واعلم ان جمع مابين الصلاتين من الكبائر الا من عذر .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا کہ بلا عذر دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ یہ حدیث اور چوتھی بار شراب پینے پر قتل کے حکم کی حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے:

ليس فی كتابی هٰذا حديث اجمعت الامة على ترك العمل به الاحديث ابن عباس فی الجمع بالمدينة من غير خوف ولا مطر و حديث قتل شارب الخمر فی المرة الرابعة .

میری اس کتاب میں مذکورہ بالا دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس پر بالاجماع عمل متروک ہو۔ (نووی برحاشیہ مسلم، ج:۱، ص:۲۴۶)

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن کے پیش نظر ایک مسلمان کا ایمان قرآن کریم کے فرمان: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط .

اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت فرماتا ہے۔ (بقرہ:۲۶)

اور حدیث پاک کے ارشاد:

نضر الله عبداً سمع مقالتى فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه .

اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر یاد کیا، یاد رکھا، اور دوسرے تک پہنچا دیا۔ کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوں گے" پر مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

محدث جلیل حضرت ابن عیینہ نے سچ فرمایا ہے:

الاحاديث مضلة الا للفقهاء .

غیر فقیہ، احادیث سے استدلال کریں تو گمراہ ہو جائیں۔

الغرض، قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کی طرز عمل سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جو حضرات قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث میں غور وفکر اور تدبر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج واستنباط نہیں کر سکتے، یعنی مجتہد نہیں ہیں، ان پر فرض ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے احکام شرع پر عمل پیرا ہوں، یعنی مجتہد کے استخراج واستنباط کردہ مسئلہ کے مطابق عمل کریں۔ ان کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر مجتہد کے مذہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر یہی فرض ہے کہ وہ مجتہد ہی کے استخراج کردہ حکم پر عمل کریں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے مجتہد کے استخراج کردہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو بلاشبہ گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔

صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین کے دور میں بھی بہت سے حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز تھے مثلاً امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

یہ حضرات قرآن وحدیث کے غیر مصرح مسائل کو قرآن وحدیث ہی میں غور وفکر اور تدبر واجتہاد کر کے تفصیلی دلیلوں کے ساتھ استخراج واستنباط کرتے، اور اس استخراج مسائل

میں صحابہ ہی کی طرح کبھی تو سب کا اتفاق ہوتا اور کبھی اختلاف بھی ہو جاتا۔ اختلاف کی صورت میں ہر ایک مجتہد عمل تو اپنے ہی استخراج کردہ مسئلہ پر کرتے، مگر دوسرے کے استخراج کردہ مسئلہ کو بھی باطل وناروا نہیں کہتے۔ اس لئے عام مسلمانوں کو جن سے دریافت کرنا ممکن ہوتا، ان سے دریافت کر کے انہیں کے بتائے ہوئے مسئلہ پر عمل کر لیتے۔ مگر جب زمانۂ رسالت سے دوری بڑھ گئی، خیر القرون کا عہد ختم ہو چکا، تو عام مسلمانوں میں دینی احکام پر عمل سے متعلق وہ جذبۂ فراواں جو صحابہ وتابعین میں پایا جاتا تھا باقی نہ رہا۔ کتنے ہی لوگ عزیمتوں کی بجائے رخصتوں کے متلاشی ہو گئے، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر مجتہدین کے استخراج کردہ وہ مسائل جن میں ان کے خواہشات نفس کی تکمیل کی صورت نظر آتی، اختیار کرنے لگے مثلاً:

(۱) بیوی سے صحبت کی جائے اور انزال نہ ہو، تو امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق غسل فرض ہو جاتا ہے، غسل کئے بغیر اسی حالت میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی، اور امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق غسل فرض نہیں ہوتا ہے، غسل کئے بغیر اسی حالت میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا غسل کی کلفت سے نجات کیلئے امام شافعی کے استخراج کو بہانہ بنانا شروع کیا۔

(۲) یوں ہی اپنی شرم گاہ چھو لینے سے، امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق وضو نہیں ٹوٹتا ہے، دوبارہ وضو کرنا فرض نہیں، اور امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق وضو ٹوٹ جاتا ہے، اب نماز پڑھنی ہو تو دوبارہ وضو کرنا فرض ہے، لہٰذا وضو کی کلفت سے نجات کیلئے امام شافعی کی بجائے امام ابوحنیفہ کے استخراج کا سہارا لینا شروع کیا۔

(۳) اسی طرح منی، امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق ناپاک نہیں ہے، تو منی لگے ہوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے، اور امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق ناپاک ہے، تو منی لگے ہوئے کپڑے پہن کر نماز نہیں ہو گی، لہٰذا کپڑے کو دھونے کی کلفت سے بچنے کیلئے امام ابوحنیفہ کی بجائے امام شافعی کے استخراج کی آڑ لینی شروع کی۔

(۴) ایسے ہی نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، تو امام شافعی کے استخراج واستنباط

کے مطابق نماز نہیں ہوتی ہے، اور امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق نماز گو مکروہ ہو، مگر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھنے سے چھٹکارا پانے کیلئے امام شافعی کی بجائے امام ابوحنیفہ کے استخراج کو ڈھال بنانا شروع کیا۔

اس طرح کچھ لوگ اپنے آپ کو شریعت کا تابع بنانے کی بجائے شریعت کو اپنی تابع بنانے لگے، تو شخص واحد کی تقلید فرض ہو گئی تا کہ شریعت کی مصلحتوں میں خلل نہ ہو اور نظم و ضبط برقرار رہے۔

اگر ہوا و ہوس کے اس زمانہ میں شخص واحد کی تقلید فرض نہ ہو، کسی بھی امام کے استخراج واستنباط کے مطابق عمل کی اجازت رہے، تو لوگوں کو شریعت سے کھل کھیلنے کی آزادی مل جائے گی۔ کیونکہ مثلاً:

امام ابوحنیفہ کے استخراج واستنباط کے مطابق دو گواہ کی موجودگی میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اعلان نہ ہو، لیکن دو گواہ نہ ہوں تو منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ اعلان ہو جائے۔ اس کے برعکس امام مالک کے استخراج واستنباط کے مطابق اعلان نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ گواہ موجود ہوں، اور اعلان ہو جائے تو منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ گواہ موجود نہ ہوں، اور امام شافعی کے استخراج واستنباط کے مطابق ولی کی اجازت ہو تو منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اعلان نہ ہو۔ اس کے برخلاف امام احمد بن حنبل کے استخراج واستنباط کے مطابق غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اگرچہ ولی کی اجازت ہو، گواہ بھی موجود ہوں، اور اعلان بھی ہو جائے۔

اب اگر شخص واحد کی تقلید فرض نہ ہو تو ایک عورت، امام مالک کے استخراج واستنباط کے مطابق ولی کی اجازت اور گواہوں کے بغیر، اعلانیہ غیر کفو مرد سے نکاح کر کے کچھ دنوں اس کے ساتھ رہے گی...... پھر امام احمد بن حنبل کے استخراج واستنباط کو بہانہ بنا کر پہلے شوہر کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایسے دوسرے مرد سے جو اس کا کفو ہو، نکاح کر کے اس کے ساتھ ہو جائے گی، اور یہ بے چارہ شوہر منہ دیکھتا رہ جائے گا...... پھر ابھی کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ امام شافعی کے استخراج واستنباط کو آڑ بنا کر ولی کی اجازت سے اعلان کئے بغیر، کسی تیسرے سے شادی رچا کر اس کا پہلو گرم کرے گی، اور پہلا، دوسرا دونوں شوہر منہ دیکھتے رہ

جائیں گے...... پھر جب اس شوہر سے بھی جی بھر جائے گا، تو امام ابوحنیفہ کے استخراج و استنباط کو آڑ بنا کر دو گواہوں کی موجودگی میں چوتھے مرد سے نکاح کر لے گی، اور پہلے کے تینوں شوہر منہ تکتے رہ جائیں گے۔

اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الانصاف میں فرمایا ہے:

اعلم ان الناس كانوا فى المأة الاولى والثانية غير مجتمعين على التقليد بمذهب معين وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هٰذا هو الواجب فى ذٰلك الزمان . فان قيل كيف يكون شىء واحد واجبا فى زمان و غير واجب فى زمان مع ان الشرع واحد . قلت: الواجب الاصلى هو تقليد من يعرف الاحكام الفرعية عن ادلتها التفصيلية اجمع على ذٰلك اهل الحق فاذا كان للواجب طرق متعددة وجب تحصيل طريق من الطرق من غير تعين واذا كان له طريق واحد تعين ذٰلك الطريق بخصوصه كما كان السلف لايكتبون الحديث ثم صار فى يومنا هٰذا كتابة الحديث واجبة لان رواية الحديث واجبة لان رواية الحديث لاسبيل لها الا معرفة هٰذه الكتب، وكان السلف لايشتغلون بالنحو والصرف واللغة لان لسانهم كانت عربية ثم صار فى يومنا هٰذا معرفتها واجبة .

پہلی دو صدیوں تک مذہب معین کی تقلید پر لوگوں کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ یہ تیسری صدی میں ہوا، اس وقت شاید و باید ہی کچھ لوگ مذہب معین کی تقلید سے آزاد رہے ہوں۔ یہاں کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ جو چیز (مذہب معین کی تقلید) پہلے زمانہ میں غیر واجب رہی وہی چیز بعد کے زمانہ میں واجب کیسے ہو گئی؟ تو

میں کہوں گا کہ اس پر تو شروع ہی سے اہل حق کا اجماع تھا کہ بلاتعین مجتہد کی تقلید واجب ہے اور قاعدہ ہے کہ حصول واجب کے کئی طریقے ہوں تو بلاتعین کسی بھی طریقہ کی تحصیل واجب رہتی ہے لیکن جب واجب کے حصول کی ایک ہی صورت ہو تو متعین طور پر اسی صورت کی تحصیل واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے سلف اپنے زمانوں میں احادیث کی روایت زبانی ہی کرتے تھے، لکھتے نہیں تھے، پھر بعد کے زمانوں میں لکھے ہوئے کے مطابق روایت کرنا واجب ہو گیا۔ کیونکہ اب روایت حدیث کی یہی صورت رہ گئی۔ اسی طرح سلف، نحو صرف اور علم اللغۃ کی تحصیل نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کی زبان ہی عربی تھی۔ پھر اس زمانہ میں ان علوم کی تحصیل واجب ہو گئی۔

پھر فرمایا ہے:

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالىٰ العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون ۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجتہدین کی تقلید کرنے میں وہ راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علماء کو الہام فرمایا اور انہیں اس پر اجماع کی توفیق دی۔ چاہے لوگ اس کا ادراک کر سکیں یا نہ کر سکیں۔

عقد الجید میں فرمایا ہے:

اعلم ان فى الاخذ بهٰذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة، وفى الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين لك بوجوه ۔ احدها ان الامة اجمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة فالتابعون على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهٰكذا اعتمد العلماء فى كل طبقة من قبلهم والقبول يدل على حسن ذٰلك واذا تعين الاعتماد على اقاويل السلف فلا بدان تكون اقاويلهم التى يعتمد عليها مروية باسناد

صحيح او مدونة فى كتب مشهورة وليس مذهب من المذاهب بهٰذه الصفة الا هٰذه المذاهب الاربعة ۔ وثانيها قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فى النار ۔ ولما اندرست المذاهب الحقه الا هٰذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم (باب تاكيد الاخذ بهٰذه المذاهب الاربعة الخ، ص: ۳۷، مكتبه حقيقة تركى)

یاد رکھئے کہ ان چار مذاہب کو اختیار کر لینے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑی خرابی۔ جس کی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ شریعت کی معرفت کیلئے اسلاف پر اعتماد کے سلسلہ میں امت کا اجماع ہے۔ اسی بنا پر تابعین نے صحابہ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ کے علماء پر اعتماد کرتے چلے آئے۔ جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد متعین ہو گیا تو ضروری ہے کہ اسلاف کے یہ اقوال جن پر اعتماد کیا جائے صحیح سندوں سے مروی یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔ اور یہ بات اس وقت مذاہب اربعہ کے علاوہ کہیں نہیں پائی جاتی۔ دوسری وجہ یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سواد اعظم کا اتباع کرو، جو اس سے جدا ہو گا جہنم میں جا گرے گا۔ اب چونکہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی اور مذہب اس طور پر باقی نہیں اس لئے انہیں کی پیروی سواد اعظم کی پیروی ہے۔

حجۃ اللہ البالغۃ میں فرمایا ہے:

ومما يناسب هٰذا المقام التنبيه علىٰ مسائل ضلت فى بواديها الافهام، وزلت الاقدام وطغت الاقلام، منها ان هٰذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة ۔ اومن يعتدبه منها ۔ على جواز تقليدها الىٰ يومنا هٰذا وفى ذٰلك من المصالح مالا يخفىٰ لاسيما فى هٰذه الايام التى قصرت فيها الهمم جدا واشربت

النفوس الھویٰ واعجب کل ذی رای برایه ۔ (ج:۱،ص:۱۵۴)

اس مقام پر مناسب ہے کہ چند ایسی باتوں پر تنبیہ کر دی جائے جن کی گہرائیوں میں عقلیں گم ہو گئیں، قدم پھسل گئے، اور قلم سرکشی پر اتر آئے اور وہ یہ کہ یہ چاروں مدون و محرر مذاہب کی تقلید درست ہونے پر پوری امت یا کم سے کم ارباب حل وعقد کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس میں بڑی مصلحتیں ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں۔ خاص طور سے اس زمانہ میں جب ہمتیں بہت زیادہ قاصر ہو چکی ہیں۔ نفس خواہشات کا خوگر ہو چکا ہے، اور ہر ذی رائے اپنی ہی رائے پر عجب میں مبتلا ہے۔

یوں تو اس زمانہ میں بہت سے مجتہدین ہوئے جنہوں نے وہ احکام جن کی صراحت و تفصیل قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے، قرآن و حدیث ہی میں غور وفکر کر کے مسائل کا استنباط و استخراج کیا مگر امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے علاوہ کسی نے اسے اس طرح مدون نہیں فرمایا کہ آج براہ راست ان کی معلومات حاصل کر کے ان پر عمل کیا جا سکے۔

خدا کی ہزار رحمتیں ہوں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل پر کہ انہوں نے صرف مسائل کے استخراج و استنباط پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جن مسائل کو مستنبط کیا ان کو باقاعدہ تحریری شکل بھی دے دی، اس لئے ان حضرات کے مستنبط کردہ مسائل آج تک موجود و محفوظ ہیں۔ باقی حضرات نے مسائل تو مستنبط کئے مگر انہیں باقاعدہ تحریری شکل نہیں دی اس لئے ان کے مستنبط کردہ مسائل محفوظ نہیں رہ پائے۔

لہٰذا قرآن و حدیث کے غیر مصرح مسائل پر عمل کیلئے یہی چار مذہب متعین رہے۔ آج اگر کسی کو قرآن کی کوئی آیت یا حدیث بظاہر ان چار مذاہب کے خلاف بھی معلوم ہو تو بھی ان پر یہی فرض ہے کہ انہیں مذاہب کے مطابق عمل کریں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے فریضہ سے روگردانی کرتے ہوئے ان مذاہب میں بیان شدہ حکم کو چھوڑ کر قرآن کی آیت یا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو بلاشبہ گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔

☆☆☆☆